کیا تھا" اور ترمذی میں یہ بھی ہے کہ "مگر میں طلاق نہ دوں گا" +

بخاری میں حضرت عائشہ رض سے روایت ہے کہ میں نے اسماء سے گلوبند مانگ کر پہن لیا تھا اور وہ اتفاق سے گم ہوگیا جب رسول اللہ صلعم کو علم ہوا تو آپ نے اُس کی تلاش میں چند آدمیوں کو روانہ کیا اور وہاں نماز کا وقت آگیا، چونکہ وہاں پانی نہ تھا اس لئے لوگوں نے بلا وضو نماز پڑھ لی - جب وہاں سے واپس آئے تو رسول اللہ صلعم سے بلا وضو نماز پڑھنے کا حال بیان کیا - اس پر آیتِ تیمم نازل ہوئی - اسید بن حضیر نے کہا اے عائشہ رض تجھے اللہ جزائے خیر دے، خدا کی قسم جو امر تمہارے باب میں اُترا اُس میں تمہارے لئے اللہ نے آسانی کی اور مسلمانوں کے لئے برکت +

بخاری وغیرہ میں منقول ہے کہ حضرت ابن عباس رض نے حضرت عائشہ رض کے انتقال سے کچھ پہلے مرض الموت میں اُن کے پاس آنے اور ملنے کی خواہش ظاہر کی - آپ کو خبر دی گئی کہ ابن عباس رض رسول اللہ صلعم کے ابن عم اور تمام مسلمانوں میں ذی عزت صاحب تشریف لائے ہیں - حضرت عائشہ رض نے فرمایا اچھا انہیں بلا لو جب وہ آئے تو انہیں یہ معلوم ہوا کہ شاید حضرت عائشہ رض اللہ کے پاس جانے سے کچھ خوف کر رہی ہیں - انہوں نے یہ دیکھ کر کہا کہ آپ خوف نہ کیجئے کیونکہ آپ بخشش اور رزق کریم پر جاتی ہیں پھر حضرت ابن عباس رض نے آیۂ الطیبات للطیبین والطیبون للطیبات پڑھی اور کہا کیا یہ آیت آپ کی شان میں نازل نہیں ہوئی - جس وقت یہ آیت حضرت ابن عباس رض نے پڑھی آپ فرطِ مسرت سے

بیہوش سی ہوگئیں جب ہوش میں آئیں تو ابن عباسؓ سے کہا کہ
خدا نے مجھے نو چیزیں ایسی عطا کیں جو رسول اللہ صلعم کی کسی دوسری
بیوی کو نہیں ملیں اول جس رات آنحضرت صلعم کو مجھ سے نکاح کرنیکا
حکم ہوا تو جبرئیل میری تصویر لیکر رسول اللہ صلعم کے پاس آئے
دوسرے رسول اللہ صلعم نے مجھ سے اُس حال میں نکاح کیا کہ
میں بکر (بن بیاہی) تھی سوا میرے اور کوئی بیوی کنواری نہ تھی
تیسرے رسول اللہ صلعم کا وصال میرے ہی آغوش میں ہوا چوتھے
آپ کی قبر میرے ہی مکان میں بنی پانچویں رسول اللہ صلعم پر وحی
نازل ہوتی تھی درآنحالیکہ میں آپ کے لحاف میں ہوتی تھی چھٹے
میں رسول اللہ صلعم کے یارِ غار اور رفیقِ جاں نثار کی بیٹی ہوں،
ساتویں جب منافقوں نے مجھ پر تہمت باندھی تو میری برات
عصمت کی شہادت خود خدا نے دی آٹھویں میں خود پاک ہوں
اور پاک بندے کے واسطے پیدائی اور آیہ الطیبات للطیبین
کی میں ہی مصداق ہوں نویں خدا نے میرے لئے بخشش و رزق
کریم کا وعدہ فرمایا ہے، اس کے بعد جب حضرت ابن عباسؓ
تشریف لے گئے تو عبد اللہ ابن زبیر آئے حضرت عائشہؓ نے فرمایا
کہ ابن عباسؓ میرے پاس آئے تھے اور میری تعریف کرتے تھے
اور میں اس بات کو دوست رکھتی ہوں کہ اللہ مجھے ہنسی خوشی اس
دنیا سے اُٹھا لے، چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ تھوڑی دیر بعد
۱۷ رمضان ۵۸ھ میں ۶۶ سال کی عمر میں آپ نے انتقال
فرمایا +

انس بن مالک سے روایت ہے کہ پوچھا رسول اللہ صلعم سے کہ آپ کو سب سے زیادہ کون محبوب ہے، آپ نے جواب دیا کہ عائشہ رض پھر عرض کی کہ مردوں میں کون زیادہ محبوب ہے آپ نے فرمایا کہ عائشہ رض کا باپ رض ÷

حضرت عائشہ رض راوی ہیں کہ ایک دن رسول اللہ صلعم اپنے کرتے میں پیوند لگا رہے تھے کہ پسینہ پیشانی مبارک سے ٹپکنے لگا اور چہرۂ انور چمکنے لگا، میں چرخہ کات رہی تھی اور جمال مبارک کو غور سے دیکھ رہی تھی۔ فرمایا رسول اللہ صلعم نے اے عائشہ رض تو کیوں حیران ہے، جواب دیا کہ میں چہرۂ انور کو دیکھ رہی تھی۔ پس رسول اللہ صلعم اُٹھے اور دونوں آنکھوں کے بیچ میں بوسہ دیکر فرمایا کہ جزاك الله خیرا اے عائشہ رض تو جس قدر مجھے دیکھ کے خوش ہوتی ہے اُس سے زیادہ میں تجھے دیکھ کے خوش ہوتا ہوں ÷

باب چہارم

غالباً اتنی احادیث سے بخوبی واضح ہو گیا ہو گا کہ رسول کریم صلعم کو حضرت عائشہ رض سے کس قدر محبت تھی اور کیسی وقعت آپ اُن کی کرتے تھے۔ اس کی ایک بڑی وجہ تو یہ تھی کہ آپ حضرت ابو بکر رض کی بیٹی تھیں اور حضرت صدیق اکبر رض سے جو خصوصیت رسول اللہ صلعم کو تھی وہ بالکل عیاں ہے علاوہ اس کے آپ کے اخلاق و خصائل

اس درجہ پاکیزہ و پسندیدہ تھے کہ انہوں نے رسول اللہ صلعم کو اور گرویدہ بنا لیا تھا۔ ہر چند آپ غیر معمولی حسین نہ تھیں بلکہ بی بی صفیہؓ وزینب بنت جحشؓ آپ سے زیادہ حسنِ ظاہری رکھتی تھیں، لیکن حضرت عائشہؓ کی فراست و دانشمندی، تدبر و تفقہ بجائے خود ایک مستقل حسن تھا کہ رسول اللہ صلعم بہت زیادہ التفات رکھتے تھے۔ آپ کی زبان نہایت صاف و شستہ تھی اور گفتگو میں علاوہ فصاحت و بلاغت کے معقولیت اس قدر تھی کہ جب رسول اللہ صلعم گھر میں تشریف لاتے تو اکثر آپ سے بھی گفتگو کرتے اور جب وہ اپنی باتوں کا سلسلہ شروع کر دیتیں تو آپ خاموش بیٹھے سنا کرتے۔ اکثر معاملات خانہ داری میں رسول اللہ صلعم آپ سے مشورہ فرماتے اور یہ ایسی تدبیر بتاتیں کہ رسول اللہ صلعم کو اس پر عمل کرنے میں ذرا پس و پیش نہ ہوتا۔ ہر چند آپ سے رسول اللہ صلعم بغایت محبت رکھتے تھے لیکن حضرت عائشہؓ باوصف ان تمام مہربانیوں کے رسول اللہ صلعم کا بے انتہا ادب کرتی تھیں اور بے حد عزت کی نگاہ سے دیکھتی تھیں۔ ساری عمر میں کوئی موقعہ ایسا پیش نہیں آیا کہ کسی بات میں آپ نے حد سے تجاوز کیا ہو۔ جو بات رسول اللہ صلعم کے خلافِ شان یا خلافِ طبیعت ہوتی کبھی اس کی طرف آپ کا خیال بھی نہ جاتا تھا اور اگر کوئی راز رسول اللہ صلعم کا معلوم ہو جاتا تو اس کو بہت محفوظ رکھتیں۔ پھر جب آپ کی صداقت و خلوص ذہانت و فراست اخلاق و خصائل امانت و دیانت کا یہ عالم تھا تو کوئی وجہ نہیں کہ رسول اللہ صلعم کی نگاہ میں ایک خاص درجہ آپ کا نہ ہوتا۔ یقیناً رسول اللہ صلعم کو غیر معمولی شغف آپ کے ساتھ تھا اور بالکل بجا و درست تھا۔

جب رسول اللہ صلعم کا وصال ہوا تو بی بی عائشہ رض کی عمر اُسوقت صرف اٹھارہ سال کی تھی گویا کم وبیش صرف نو سال پیغمبر رض صاحب کی خدمت کا شرف ان کو حاصل رہا۔ لیکن یہ اُن کی خداداد ذہانت وفطری دانشمندی کا نتیجہ تھا کہ اسی ۹ سال کے مختصر زمانہ میں آپکو فن حدیث وفقہ میں اس درجہ درک حاصل ہوگیا تھا کہ بڑے بڑے صحابہ یہانتک کہ خلفائے اربعہ رض بھی بعض معاملات میں انکی معلومات کا مقابلہ نہ کرسکتے تھے +

حضرت عائشہ رض سے بہت سی حدیثیں منقول ہیں یہانتک کہ اُن کی تعداد دو ہزار دو سو دس بتائی جاتی ہے لیکن متفق علیہا ایک سو ستر ہیں جن میں زیادہ تر احادیث ہیں جن کا تعلق عورتوں کی رازدارانہ معاشرت سے ہے اور اس میں کلام نہیں کہ اگر حضرت عائشہ رض کا وجود نہ ہوتا تو وہ ہزاروں مسائل جن کا تعلق براہِ راست عورتوں سے ہے اس وقت پیش نظر نہ ہوتے اور عورتوں کی دنیاوی معاشرت وتمدن کی اصلاح جس کے لئے انضباط مسائل کی سخت ضرورت ہے اس وقت بالکل ابتدائی حالت میں ہوتی۔ جب تک آپ زندہ رہیں اُن مسائل کو بیان فرماتی رہیں جو رسول اللہ صلعم سے آپ کو معلوم ہوئے تھے اور وہ باتیں ایسی تھیں کہ اگر کوئی دوسرا بجائے آپ کے ہوتا تو ہرگز انہیں اس قدر صفائی اور احتیاط سے نہ بیان کرسکتا علاوہ اس کے کہ آپ میں فقیہانہ قابلیت اور اجتہادی فضیلت اس درجہ پائی جاتی تھی۔ آپ نے معاملات ملکی وامور سیاست میں بھی بہت کچھ حصہ لیا جس سے زیادہ بدیہی ثبوت آپ کی دانشمندی اور علوی فطرت کا اور کوئی نہیں ہوسکتا

اب ہم چند واقعات بیان کرتے ہیں جن سے آپ کے خصایص ذاتی پر کافی روشنی پڑے گی +

مستند حدیث ہے کہ رسول اللہ صلعم نے صحابہؓ سے فرمایا کہ سیکھو تم لوگ دو حصے دین کے حمیرا سے (حمیرا لقب ہے حضرت عائشہؓ کا)۔ عروۃ بن الزبیر سے روایت ہے کہ میں نے حضرت عائشہؓ سے زیادہ کسی کو عالم معانی قرآن کا واقف احکام حلال وحرام سے آگاہ، علم انساب والاشعار سے خبردار کسی کو نہیں دیکھا آپ شعر بھی فرماتی تھیں چنانچہ یہ دو شعر آپ کے رسول اللہ صلعم کی شان میں بہت مشہور ہیں ؎

ولو سمعوا فی مصر اوصاف خدہ — لما بذ لوا فی سوم یوسف من نقد
لو رأت طاعنات زلیخا نور حسنہ — لاثرن بالقطع القلوب الایدی

(یعنی اگر مصر والے آپ کے رخسار مبارک کے اوصاف سن پاتے تو وہ یوسفؑ کی خریداری پر کبھی کچھ خرچ نہ کرتے اور اگر زلیخا پر طعن کرنے والیاں آپ کا نور جمال دیکھ پاتیں تو وہ بجائے اپنی ہاتھوں کی انگلیوں کے دلوں کو کاٹنا اختیار کرتیں) +

ایک دفعہ حضرت ابوبکر رسول اللہ صلعم کے مکان گئے لیکن وہاں دیکھا کہ سب لوگ باہر بیٹھے ہیں اور اندر جانے کی کسی کو اجازت نہیں ہے مگر جب رسول اللہ صلعم کو خبر ہوئی تو آپ کو اندر بلا لیا اتنے میں حضرت عمرؓ تشریف لائے اُن کو بھی اندر طلب کر لیا۔ ان دونوں نے اندر جا کر دیکھا کہ رسول اللہ صلعم بیٹھے ہوئے ہیں اور آپ کے چاروں طرف اُمہات المومنین خاموش بیٹھی ہوئی ہیں۔ حضرت عمرؓ نے

رسُول اللہ صلعم کے خوش کرنے کی غرض سے کہ آپ کا تفکر دور ہو فرمایا کہ
یارسُول اللہ صلعم آج میری بیوی نے نفقہ سے زیادہ طلب کیا تو میں نے
اُس کی گردن دبائی (یعنی مجبور کیا اُس نفقہ پر جو میں دیا کرتا تھا) رسول اللہ
یہ سُن کر ہنسے اور فرمایا کہ آج یہاں بھی سب نفقہ سے زیادہ طلب کر رہی
ہیں۔ اس کو سُنکر حضرت عمرؓ و حضرت ابوبکرؓ اُٹھے اور اپنی اپنی بیٹیوں
(حضرت حفصہؓ و حضرت عائشہؓ) سے برہم ہوئے کہ یہ کیا بات ہے
اور کیوں تم رسُول اللہ صلعم سے وہ چیز جو اُن کے پاس نہیں ہے طلب کرتی ہو
اسکے بعد رسُول اللہ صلعم ۲۹ دن کے لئے سب بیویوں سے علٰحدہ ہو گئے
اور کسی کے گھر نہیں تشریف لے گئے اس کے بعد یہ آیت نازل ہوئی
یاایھا النبی قل لازواجک ان کنتن تردن الحیٰوۃ الدنیا و
زینتھا فتعالین امتعکن واسرحکن سراحا جمیلا (اے نبیؐ اپنی
بیویوں سے کہدو کہ اگر تم حیاتِ دنیا اور زینت کی طلبگار ہو تو آؤ میں تمہیں
وہ چیزیں دوں اور چھوڑ دوں تم سب کو خوشی خوشی۔ وان کنتن تردن
اللہ ورسولہ والدار الآخرۃ فان اللہ اعد للمحسنٰت منکن
اجرا عظیما (اور اگر تم اللہ، اُس کے رسُول صلعم دارِ آخرت کی طلبگار ہو
تو بیشک اللہ نے مقرر کیا ہے تم سے نیک بیویوں کے لئے بڑا اجر
رسُول اللہ صلعم نے سب سے پہلے حضرت عائشہؓ کے سامنے ان دونوں
صورتوں کو پیش کیا اور فرمایا جلدی نہ کرو پہلے اپنے والدین سے مشورہ
کر لو۔ حضرت عائشہؓ نے جواب دیا کہ کیا آپ کے اختیار کرنے میں میں
باپ یا ماں کے مشورہ کی محتاج ہوں بلکہ بغیر کسی مشورہ کے میں نے
اختیار کیا اللہ، اُس کے رسُول صلعم اور دارِ آخرت کو غرض کہ آپ

بہت فہیم و دانا تھیں چنانچہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ
من حوسب عُذب (یعنی جس کا حساب کیا گیا وہ عذاب دیا گیا) حضرت
عائشہ رض نے عرض کی کہ اما من اوتی کتابہ بیمینہ فسوف یحاسب
حسابا یسیرا (جس کے داہنے ہاتھ میں نامۂ اعمال دیا جائے گا اُس کا
حساب آسان ہو جائے گا) پھر اس آیت کا کیا مطلب ہوگا کیونکہ اس
سے تو یہ مطلب ہوتا ہے کہ حساب کے بعد عذاب ہونا ضروری نہیں ہے،
بلکہ حساب میں آسانی بھی ہو سکتی ہے۔ رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ
کہ وہ حساب لطف و محبت کا حساب ہے حقیقتاً وہ حساب میں داخل
نہیں ہے ؛

حضرت عائشہ بہت کریم النفس اور سخی تھیں چنانچہ عُروۃ بن الزبیر
کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ رض کو ستّر ستّر ہزار درم صدقہ کرتے دیکھا
درانحالیکہ آپ کے کپڑوں میں پیوند لگے ہوئے تھے۔ ایک دفعہ
عبداللہ بن زبیر نے ایک لاکھ درہم آپ کے پاس بھیجے آپ نے
اُس وقت تمام فقراء میں تقسیم کر دیئے۔ اُس دن آپ روزہ سے تھیں
لیکن اپنے لئے اس قدر بھی نہ رکھا کہ شام کو افطار کے وقت روٹی
کے ساتھ سالن تو کھا لیتیں لونڈی نے عرض کی کہ خشک روٹی رکھی ہے
کیا ہوتا اگر آپ سالن پکا لیتیں آپ نے فرمایا کہ تو نے اُس وقت
کیوں نہیں یاد دلایا، لیکن ان تمام واقعات سے زیادہ آپ کے ایثار
و سخاوت کی ایک مثال ایسی ہے کہ اُس کی نظیر کہیں دنیا میں نہیں
مل سکتی۔ جب امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ ابولوءلوء مجوسی کے
زہر آلود خنجر سے زخمی ہو کر جاں بلب ہوئے تو انہوں نے اپنے

صاحبزادے نے عبداللہ سے کہا کہ جب میرے جنازہ کی تجہیز و تکفین
سے فارغ ہونا تو ام المومنین حضرت عائشہ کے پاس جاکر میرا سلام
عرض کرنا اور کہنا کہ اگر آپ خوشی سے اجازت دیدیں تو عمرؓ آپ کے
محترم شوہر جناب رسول صلعم کے قدموں اور آپ کے والد بزرگوار حضرت
صدیق اکبرؓ کے پہلو میں دفن کردیا جائے، اور دیکھو یہ میری عرضداشت
نہایت الحاح و زاری کے ساتھ پیش کرنا اگر وہ یہ خوشی اجازت دیدیں
تو خیر، ورنہ مجھے عام مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کردینا یہ نہ ہو
کہ تم میری خواہش کے سبب سے اُم المومنینؓ کا دل میلا کرو۔
(رسول اللہ صلعم بھی حضرت عائشہؓ کے حجرہ میں آسودہ تھے اور حُسنِ
اتفاق سے حضرت ابوبکرؓ کو بھی وہیں اپنے آقا کے پاس جگہ مل گئی
تھی اس لئے اُس حجرہ میں اب صرف ایک قبر کی جگہ تھی جو حضرت
عائشہؓ نے اپنے لئے مخصوص کر رکھی تھی اور ظاہر ہے کہ کسی مسلمان
علی الخصوص حضرت عائشہؓ کو اس سے زیادہ اور کیا خوشی ہوسکتی تھی
کہ رسول اللہ صلعم اور حضرت ابوبکرؓ کے پاس مدفون ہوں) لیکن جب
عبداللہ امیر المومنین حضرت عمرؓ کا یہ پیغام لیکر آئے تو حضرت عائشہؓ
نے فرمایا کہ عبداللہ تمہیں معلوم ہے کہ جب سے جنابِ رسول اللہؐ
یہاں مدفون ہوئے ہیں خالی جگہ کو میں نے اپنے لئے رکھ لیا ہے
لیکن چونکہ تمہارے والد نے اسلام و پیغمبرِ اسلام صلعم کی بہت خدمت
کی ہے اس لئے میں اپنے تئیں ہرگز اس قابل نہیں سمجھتی کہ اُن کی
خواہش پر اپنی خواہش کو ترجیح دوں، بیشک تم امیر المومنین کا جنازہ
یہاں لے آؤ میں خوش ہوں کہ انہیں میرے حجرہ میں رسول اللہ صلعم

اور اُن کے رفیق حضرت ابوبکرؓ کے ہم پہلو دفن کیا جائے۔ اس سے
زیادہ ایثار و کریم النفسی کی مثال مشکل سے ملسکتی ہے۔ اس سے پتہ چلتا
ہے کہ آپ کس درجہ حق شناس و حق پرست تھیں۔ علاوہ ان سب
تمام صفات کے علمی معلومات آپ کو بہت حاصل تھیں چنانچہ علم الفرائض
و مسایل میراث کے حل کرنے میں آپ کو وہ یدِ طولےٰ حاصل تھا
کہ خود حضرت عمر بن الخطابؓ ایسے جلیل القدر صحابی و خلیفہ نے
ایک دو دفعہ نہیں بلکہ کئی دفعہ میراث کے مسائل آپ سے دریافت
کئے اور آپ نے فوراً اُنہیں حل کر دیا۔ حضرت عمرؓ عبداللہ بن عمرؓ
ابن عباسؓ ابو موسیٰ اشعری ابوہریرہ وغیرہ جلیل القدر صحابی آپ سے
حدیثیں سنتے اور پھر انہیں لوگوں سے بیان کرتے۔ جن تابعیوں نے
ان سے روایتِ حدیث کی ہے اگرچہ اصابہ و رسد الغابہ کے مولفین نے
بڑی کوشش و جانکاہی سے اُن کی فہرست دی ہے لیکن آخر میں
صاف کہدیا ہے کہ علاوہ ان کے اور بہت سے تابعی ہیں جو فن حدیث
میں بیوی حضرت عائشہؓ کے شاگرد ہیں۔ عطاء بن ابی رباح جو ایک مشہور
تابعی گذرے ہیں اُن کا قول ہے کہ حضرت عائشہؓ اپنے وقت کے تمام
لوگوں سے زیادہ فقیہہ تھیں اور ان کی رائے عام مسائل میں بہت زیادہ
احسن و بہتر خیال کی جاتی تھی۔ مشکل سے مشکل و الجھے مسائل آپ اس
آسانی سے حل کر دیتی تھیں کہ بڑے بڑے صحابہ حیران رہجاتے تھے
آپ کے روایات میں سے اکثر روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ
رسول اللہ صلعم کے قول کو کس درجہ غور سے سنتی تھیں اور کس قدر اُسے
محفوظ رکھتی تھیں بعض روایات آپ کی ایسی ہیں جن سے ان کی حکیمانہ

فطرت کا اظہار بخوبی ہوتا ہے۔ ایک دفعہ رسول اللہ صلعم کے وصال کے بعد مدینہ کے علماء و صحابہ میں سماع موتٰے کے باب میں اختلاف پیدا ہوا۔ اور اختلاف اس واقعہ کی بنا پر ہوا کہ جب جنگ بدر میں بہت سے کافر مسلمانوں کے ہاتھ سے قتل کئے گئے تو رسول اللہ صلعم نے ان کی لاشیں ایک کنوئیں میں ڈلوا دیں (یہ مقتولین وہ لوگ تھے جو رسول اللہ صلعم کو سخت تکلیفیں دیا کرتے تھے اور آنحضرت صلعم ان کے لئے بدعا کرتے تھے) جب پیغمبرؐ واپس جانے لگے تو اس کنوئیں پر تشریف لائے اور مقتول کافروں کے نام لے لے کر باواز بلند فرمایا کہ حل وجدتم ما وعد ربکم حقا (کیا تم نے اس کو پالیا جس کا وعدہ تم سے تمہارے پروردگار نے کیا تھا) اس موقعہ پر بعض صحابہ نے متعجب ہو کر رسول اللہ صلعم سے سوال کیا کہ کیا یہ ناپاک لاشیں سنتی ہیں جو آپ اُن سے مخاطب ہو کے ایسا فرماتے ہیں۔ پیغمبر صاحب صلعم نے ان الفاظ میں جواب دیا کہ "وہ تم سے زیادہ سُن سکتی ہیں" اس فقرہ کو سُن کر صحابہ کے مختلف گروہوں نے دو مختلف نتیجے نکالے۔ حضرت عمرؓ کے بیٹے عبداللہ نے وصال نبویؐ کے بعد اس حدیث کو روایت کیا اور فتوے دیا کہ مردے زندہ لوگوں کی باتیں سُن سکتے ہیں دوسری طرف ابو قتادہ جو ایک عظیم الشان وجلیل القدر صحابی تھے اس بات کے قائل تھے کہ مُردے سنتے سناتے کچھ نہیں اور اس حدیث کی یہ تاویل کرتے تھے کہ رسول اللہ صلعم کی منجملہ اور خصوصیات کے یہ بھی ایک خصوصیت تھی کہ مردے اُن کی باتیں سُن سکتے تھے رفتہ رفتہ یہ اختلاف عام طور سے پھیل گیا۔ جب حضرت عائشہؓ کو

یہ خبر پہنچی تو آپ نے فرمایا کہ "خدا عبداللہ پر رحم کرے کیا انہوں نے قرآن کی اس آیت کو نہیں پڑھا کہ" انک لا تسمع الموتی (بیشک مردوں کو تم اپنی باتیں نہیں سنا سکتے) اور کیا ان کی نظر سے یہ الفاظِ قرآنی نہیں گذرے کہ وما انت بمسمع من فی القبور (تم اُن کو جو قبریں ہیں اپنی باتیں نہیں سنا سکتے) اس میں کلام نہیں کہ جو حدیث عبداللہ بن عمرؓ نے روایت کی وہ رسول اللہ صلعم کی حدیث تھی اور حدیث بھی وہ جسے بہت سے صحابہ نے سنا تھا۔ مگر اصل مدعا جو رسول اللہ صلعم کا تھا وہ کچھ اور تھا۔ پیغمبر صاحبؐ کو کفار کی لاشوں سے خطاب کرنے میں اوروں کو نصیحت و عبرۃ دلانی مقصود تھی۔ حضرت عائشہؓ کا یہ فیصلہ ایسا دانشمندانہ وحکیمانہ تھا کہ اُس کے آگے بڑے بڑے صحابیوں نے گردن تسلیم خم کردی۔ ہرچند اس مسئلہ میں اب بھی اختلاف ہے اور علمار کی مختلف رائیں ہیں علے الخصوص طبقہ صوفیہ کا تو یہی مشرب ہے کہ مُردے سنتے ہیں، لیکن قطع نظر اس امر سے کہ حقیقت و واقعیت کیا ہے حضرت عائشہؓ کا استدلال کس قدر پاکیزہ و قطعی ہے۔ ہماری اس کتاب کے موضوع سے زائد ہے کہ ہم اس مسئلہ کے متعلق کوئی بحث کریں +

حدیث و فقہ کے علاوہ ایام جاہلیت کے حالات و واقعات وشعرا متقدمین کے اشعار و فن طب کے رموز سے حضرت عائشہؓ کو پوری آگاہی تھی چنانچہ عروہ جو خود بہت بڑے زبردست عالم گذرے ہیں کہتے ہیں کہ میں نے فقہ، طب اور شعر میں حضرت عائشہؓ سے زیادہ کسی کو ماہر نہیں پایا۔ آپ کی معلومات کا دائرہ اس درجہ وسیع تھا

کہ اُس زمانہ کی عورتوں کا تو خیر ذکر ہی کیا ہے مرد بھی آپ کا مقابلہ نہیں کر سکتے تھے۔ چنانچہ محدثین کا یہ قول ہے کہ اگر رسول اللہ صلعم کے وصال کے بعد حضرہ عائشہ رضہ جیسی ذہین و فاضلہ کچھ دنوں اور زندہ نہ رہتیں تو علمِ حدیث کا نصف حصہ یقیناً ضائع ہو جاتا۔ ان کی عالمانہ وقعت اور ان کی دانشمندی کی عزت اس درجہ لوگوں کے دلوں میں تھی کہ بڑے بڑے معززین و فضلاء آپ کے سامنے آتے ہوئے ہچکچاتے تھے۔ حضرت عمر رضہ کیسے مقتدر و شاندار خلیفہ تھے لیکن ان کا بھی یہ حال تھا کہ جب حضرت عائشہ رضہ کے پاس تشریف لاتے تو بہت جھکے ہوئے، سمٹے ہوئے آہستہ آہستہ تشریف لاتے اور نیچی گردن کر کے بہت دبی زبان سے گفتگو کرتے۔ اور امہات المومنین کا بھی اعزاز کرتے تھے لیکن حضرت عائشہ رضہ کا اعزاز زیادہ تر اُن کے علم و فضل کی وجہ سے تھا۔ اُن کی ساری عمر اصلاح معاشرت میں گذری اور کوئی مسئلہ اس خاص شعبۂ زندگی کے متعلق ایسا نہیں جن میں اِن کی رائے شامل نہ ہو چنانچہ جب عبداللہ بن عمر رضہ نے عورتوں کو سر کھول کے نہانے کا حکم دیا تو حضرت عائشہ رضہ بہت ناراض ہوئیں اور فرمایا کہ عبداللہ یہ فتوے کیوں نہیں دیتا کہ عورتیں سر ہی منڈوا ڈالیں ÷

غرضکہ آپ کا وجود عجیب و غریب وجود تھا۔ مسائل شرعیہ کی مجلس میں اگر آپ زبردست فقیہ تھیں تو فنِ حدیث کی صحبت میں اک مجتہدانہ قابلیت کی نقد کرنے والی، اصلاح معاشرت کے باب میں آپ ایک زبردست ریفامر تھیں تو فنِ طب و شعر، تاریخ و سیر کی ایک زبردست ماہر، حالت امن و سکون میں اگر آپ تدوینِ قانونِ تمدن میں مصروف

رہتی تھیں تو حالتِ جنگ میں بھی آپ اُسی انہماک و جوش کے ساتھ حصہ لیتی تھیں۔ چنانچہ جب جنگ اُحد میں اکثر لوگ رسول اللہ صلعم کو چھوڑ کر چلے گئے تو انسؓ کی روایت ہے کہ میں نے حضرت عائشہؓ وامِّ سلمہؓ کو دیکھا کہ اپنے پائنچے چڑھائے ہوئے نہایت انہماک کی حالت میں اپنی پیٹھ پر پانی کی بھری ہوئی مشکیں لاتی تھیں اور زخمیوں یا غازیوں کو پلاتی پھرتی تھیں +

چونکہ جس وقت رسول اللہ صلعم کی وفات ہوئی آپ کی عمر صرف ۱۸ سال کی تھی اور اُس کے بعد آپ عرصہ تک زندہ رہیں اس لئے چاروں خلفاء کا زمانہ دیکھا اور جو جو انقلابات اُن خلفاء کے زمانہ میں ہوئے آپ ہی کے سامنے ہوئے۔ پھر اس صورت میں آپ جیسی عاقل و دانشمند و مدبرہ و مصلح ذات سے ناممکن تھا کہ وہ امورِ مملکت یا سیاسی صورتوں میں حصہ نہ لیتیں اور یہی وجہ تھی کہ آپ کے متعلق مخالفین کو بہت سے الزامات لگانے کا موقعہ ملگیا وہ لوگ جو یہ خیال کرتے ہیں کہ آپ کو حضرت فاطمہؓ یا اُن کے شوہر حضرت علیؓ اور اُن کی اولاد حسنینؑ سے رنجش تھی سخت غلطی پر ہیں کیونکہ آپ نے ہمیشہ امیر معاویہؓ کے مقابلہ میں حضرت امام حسینؑ کی بڑی سرگرمی سے تائید فرمائی اور آپ دو بدو امیر معاویہؓ سے حسنینؑ کے بارہ میں لڑی ہیں۔ چنانچہ جب امیر معاویہؓ مدینہ منورہ آئے اور ایک جلسہ کر کے حضرت امام حسینؑ سے درخواست کی کہ آپ اُن کے ہاتھ پر بیعت کرلیں۔ آپ نے انکار کیا تو چند شامی سپاہی جو امیر معاویہؓ کے ساتھ شام سے آئے تھے اس انکار سے

برافروختہ ہوئے اور انہی تلواریں نکال لیں۔ یہ دیکھ کے امیر معاویہؓ نے
شامی سپاہیوں کو ڈانٹا کہ خبردار تلوار نہ نکالنا۔ حسینؑ فہمیدہ شخص ہیں
سوچ سمجھکر راضی ہو جائیں گے، اس جلسہ کی خبر فوراً حضرت عائشہؓ کو ہوئی
اور آپ نے سُنا کہ اس اس طرح امیر معاویہؓ نے امام حسینؑ سے
گفتگو کی اور یوں شامی سپاہیوں نے حسینؑ کی خدمت میں گستاخی کی
حضرت عائشہؓ غصہ سے کانپ گئیں اور کئی عورتوں کو ساتھ لیکر مسجد نبویؐ
میں آئیں۔ امیر معاویہؓ کو طلب کیا اور جب وہ آئے تو اُن پر برس پڑیں
اور تلوار نکالکر بولیں کہ میں نے سُنا ہے کہ تو نبیٔ معصوم و برحق کے نواسے
اس طرح پیش آیا ہے، تو نہیں جانتا کہ میں زندہ ہوں اور تیری امارت
ذرا سی دیر میں خاک میں ملا دوں گی۔ یہ سُن کے امیر معاویہؓ نے عرض کیا
کہ "اے ام المومنین، کسی نے آپ کو غلط خبر دی نہ میں نے امام حسینؑ سے
ایسی گستاخی کی اور نہ میں کبھی کر سکتا ہوں یہ ضرور ہوا کہ بعض بیوقوف
شامی سپاہیوں نے بیعت کے انکار پر تلوار نکال لی تھی لیکن میں نے
اُسی وقت اُن کو ڈانٹ دیا تھا۔ اُم المومنین حضرت عائشہؓ نے فرمایا
کہ تجھے زبردستی بیعت حاصل کرنے کا کیا حق ہے، دیکھ اگر پھر کوئی
ایسی بات ہوئی تو اپنی خیر نہ سمجھنا۔

یہ تھا فدائیانہ عشق جو آپ اہل بیت سے رکھتی تھیں اور یہ
تھی وہ سپاہیانہ رُوح جو آپ میں ودیعت ہوئی تھی آپ کے
پرجلال قول و اقوال و کلمات اب بھی موجود ہیں جنگِ جمل میں جب
سخت معرکہ پیش آگیا تو حضرت علیؓ نے آپ کے بھائی کو آپ کے
پاس بھیجا کہ جا کے سمجھائیں، چنانچہ وہ آئے اور کجاوہ پر ہاتھ رکھکر

انہوں نے کچھ کہنا چاہا، حضرت عائشہ رض چونکہ پردہ میں تھیں اپنے بھائی کو نہ پہچان سکیں نہایت دلیری سے بولیں کہ یہ کون ہے جو یہانتک ہاتھ لے آیا ہے، حالانکہ سوائے نبیؐ معصوم کے کسی کا ہاتھ کبھی میری طرف نہیں بڑھا۔ ہاتھ ہٹا لے نہیں تو میں تلوار سے اُڑا دیتی ہوں۔ یہ سُن کے آپ کے بھائی نے کہا کہ میں ہوں تمہارا بھائی اور علیؑ کا پیغام لایا ہوں پھر آپ نے اپنے پاس بلالیا اور جو پیغام تھا وہ سُنا۔ غرضکہ آپ عجیب وغریب کیرکٹر کی عورت تھیں اور ہمیں تعجب معلوم ہوتا ہے کہ مخالفین نے آپ پر بہت سے بے بنیاد الزامات رکھکر کیسی جسارت سے کام لیا ہے

باب پنجم

ہم یہ نہیں چاہتے کہ مخالفین کے اُن تمام اعتراضات کو یہاں درج کرکے جوابات دینے کی کوشش کریں جو حضرت عائشہ رض پر کئے گئے ہیں اور نہ ہم ایسا کر سکتے ہیں کیونکہ وہ دس پانچ، دس بیس نہیں بلکہ سینکڑوں ہیں۔ لیکن ہم اُن میں سے خاص خاص اور بہت اہم اعتراضات کو لے کر ضرور بحث کریں گے۔ ہم یہ سمجھتے ہیں کہ اس سے مخالفین کو کوئی تسکین نہ ہوگی کیونکہ یہ امر آجکل کے مباحثہ ومناظرہ میں لابد ہے کہ کبھی صلاحیت وہدایت کے خیال سے کوئی مباحثہ نہ کیا جائے بلکہ صرف بغض وعناد کی بنا پر زہر اُگلا جائے اس لئے وہ حضرات اس کو غور سے دیکھنے کی کوشش کریں یا نہ کریں۔ لیکن ہاں ہمارے حنفی بھائی

ضرور ان مباحث پر غور کریں اور خود فیصلہ کریں کہ اُن الزامات کا عمق کس قدر ہے۔ ہم یقین دلاتے ہیں کہ یہ بالکل غلط و بے بنیاد بات ہے کہ رسُول اللہ صلعم کی ازواج میں باہم کچھ کشش تھی اور یہ بھی لغو ہے کہ وہ ایک دوسرے کے تعلق پر رنجیدہ ہوتی تھیں۔ اس کی بھی کچھ حقیقت نہیں کہ آپ نے کوئی راز کی بات کسی بیوی سے کہی ہو اور اُس نے ظاہر کردی ہو، اور اس کی بھی کچھ اصلیت نہیں کہ رسُول اللہؐ نے بڑھاپے کی وجہ سے کسی کو طلاق دینے کا ارادہ فرمایا ہو۔ حضرت عائشہ رضؓ اگر جنگِ جمل میں حضرت علیؓ کے مقابلہ میں آئیں تو اُس سے یہ نتیجہ نکالنا کہ وہ ہمیشہ سے علیؓ کی دشمن تھیں سخت غلط استدلال ہے اور واقعۂ افک کو دیکھکر یہ سمجھنا کہ آپ پر کوئی الزام واقعی لگا ہو شدید جہل ہے، اگرچہ کتب تواریخ و فریقین کی کتابوں میں اس قسم کے فسانے درج ہیں لیکن خود ان میں باہم اس قدر اختلاف ہے کہ اُن کی صداقت مشتبہ ہو جاتی ہے۔ اس میں کلام نہیں کہ آپ کے واقعاتِ زندگی نے حضرت علیؓ کی خلافت سے ایک نیا رنگ اختیار کر لیا ہے اور اسی سبب سے آپ شیعیان علیؓ کی موردِ طعن بنیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ خود حضور انور کے زمانہ میں بہت سی باتیں ایسی پیدا ہوگئی تھیں جنہوں نے لاکھوں مخلوقِ خدا کو ایک سخت غلط فہمی میں ڈال دیا ہے۔ واقعات جو پیش کئے جاتے ہیں ان کی حقیقت کچھ نہیں ہے لیکن ان واقعات نے ایسا مذہبی جامہ پہن لیا ہے کہ اگر آج کوئی انہیں اس ملبوس سے جدا کر کے دیکھنا چاہے تو اُس کے لئے بہت دشواریوں کا سامنا ہے مگر حیرت بھی ہوتی ہے کہ خدایا یہ کیا تماشہ ہے ایک طرف تو یہ روایتیں بیان کی جاتی

ہیں کہ حضرت عائشہ رضؓ سے آنحضرت صلعم کو بہت محبت تھی اور دوسری طرف

یہ بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت عائشہؓ آنحضرت صلعم کی جانی دشمن تھیں

لیکن لطف یہ ہے کہ اسبابِ عداوت کچھ نہیں ظاہر کئے جاتے اور

اس کی وجہ کوئی نہیں بتائی جاتی ایک بی بی کیوں اپنے اُس خاوند سے

دشمنی رکھے گی جو اُس سے اس قدر محبت رکھتا ہے۔ قریب قریب

۲ صدی تک تو یہ باتیں دبی رہیں اور ان کا ظہور نہیں ہوا لیکن جب

تیسری صدی کے آغاز میں بخاری کی ترتیب شروع ہوئی تو مخالفین میں

سرگوشیاں شروع ہوئیں یہانتک اخیر تیسری صدی میں روایتوں

کے وضع کرنے کا سلسلہ شروع ہوا اور رفتہ رفتہ صحیح روایات میں قصداً

غلط باتوں کا میل کیا گیا۔ وہ وقت تھا ایسے خلفاء کا کہ شائد ایسی تعریف کو

برداشت نہ کرتے اس لئے ترکیب یہی کی گئی کہ اگر ایک روایت چار باتیں

سچی تھیں تو اُن میں ایک آدھ جھوٹی بھی ملا دی گئیں۔ انہیں مذبذب

اقوال میں سے بہت سے اقوال حضرت عائشہ رضؓ کی طرف بھی منسوب

کئے جاتے ہیں اور نہایت یقین و اعتماد کے ساتھ بیان کیا جاتا ہے کہ

اگر رسولِ خدا کی کوئی بیوی دشمن تھی تو وہ عائشہ رضؓ تھیں۔ سمجھ میں نہیں آتا

کہ تین صدی کے بعد جب ہزاروں انقلاب ہو گئے اور جانے کتنی نسلیں

گذر گئیں یہ جدید اقوال کہاں سے آگئے اور راویوں نے اُن کی صداقت کو

کیونکر تسلیم کر لیا +

اگر حضرت عائشہؓ کی روایتوں کا انضباط نہ ہوتا تو ہرگز آج یہ

مخالفت نظر نہ آتی، چونکہ آپ ملکی معاملات میں پوری طرح حصہ لیتی

تھیں اور آپ کا ایک مخالف گروہ خلیفہ ثالث ہی کے وقت میں

پیدا ہو گیا تھا اور وہ گروہ اس وقت بھی موجود تھا اس لئے اس موقعہ کو دیکھکر کہ احادیث نبوی کا دفتر منضبط ہو رہا ہے اس گروہ نے بھی احادیث کا ایک مجموعہ مرتب کیا اور ائمہ پاک کے ناموں سے اِسے منسوب کیا۔ اور حضرت عائشہؓ پر جو الزامات لگائے گئے ہیں وہ سب انہیں فرضی روایتوں کی آڑ سے لگائے گئے ہیں سب سے بڑا الزام جو آپ پر لگایا جاتا ہے یہ ہے کہ آپ نے ایک راز حضور انور کا ظاہر کر دیا تھا اُس سے آنحضرت صلعم کو سخت صدمہ پہنچا حتی کہ آپ نے ۲۳ روز تک کسی بیوی سے بات چیت بھی نہیں کی۔ اس راز کا ذکر قرآن مجید میں آ گیا ہے اور عام مفسرین نے انہیں روایات سے ماخوذ کر کے ایک فسانہ اُس کا گھڑ لیا جس کو آیتِ کلام اللہ کی شان نزول ظاہر کیا جاتا ہے۔ حالانکہ اس نوع کے مفسرین اُس آیت کے مفہوم کو اچھی طرح سمجھے ہی نہیں اور ایک لغو و بے سر و پا فسانہ کا اعتبار کر کے خدا جانے کیا کیا معنی اُس آیت میں پہنائے گئے اور لطف یہ کہ اُسی واقعہ کے اظہار میں کثرت سے اختلاف ہے کوئی کچھ ظاہر کرتا ہے اور کوئی کچھ ہم اس مسئلہ کے متعلق ذرا تفصیلی بحث کریں گے اور کوشش کریں گے کہ جو حقیقت ہے وہ پیش ہو سکے۔ وہ آیت جس کے متعلق یہ سارے جھگڑے ہیں یہ ہے:-

واذا اسر النبی الی بعض ازاجه حدیثا فلما نبات به واظهر الله علیه عرف بعضه واعرض عن بعض فلما نباها به قالت من انباك هذا قال نبانی العلیم الخبیرا

(اُس وقت جب نبیؐ نے اپنی بعض ازواج سے کوئی رازدارانہ بات

کہی پس اُس عورت نے وہ راز افشا کر دیا اور آپ کو خدا تعالیٰ نے
اُس کی خبر دیدی اور آپ نے ان میں سے بعض سے اعراض کیا اور
پھر آپ سے اُس عورت نے پوچھا کہ تجھے کہاں سے خبر ہوئی آپ
نے کہا خدائے علیم نے مجھے خبر دی) اس آیت سے صرف یہ
معلوم ہوتا ہے کہ کوئی راز کی بات رسول اللہ صلعم نے کسی اپنی بیوی
سے کہی تھی اور اُس نے اُس کو ظاہر کر دیا تھا، لیکن کلام مجید میں کہیں
اس کا اظہار نہیں کہ وہ بات کیا تھی اور کس بیوی نے اُس کا افشا کر دیا
یہ امر تو بہر حال سب پر ظاہر ہے کہ رسول اللہ صلعم کے پیش نظر عورتوں کی
اصلاح کا مسئلہ بھی اُسی اہمیت کے ساتھ تھا جس اہمیت کے ساتھ
مردوں کی اصلاح کا تھا۔ آپ کا مقصود یہ تھا کہ عورتوں میں جو جو معایب
مردوں کی ناقدردانی سے پیدا ہو گئے ہیں وہ جاتے رہیں۔ چنانچہ
رسول اللہ صلعم کا متعدد عورتوں سے نکاح کرنا بھی صرف اسی مصلحت
کی بنا پر تھا لیکن چونکہ یہ عورتیں خود اُسی ملک کی رہنے والیاں تھیں
جہاں عورتوں کی خرابی اخلاق کا یہ عالم تھا اور اُسی آب و ہوا میں اُن کا
نشو و نما ہوا تھا جہاں عرب کی تمام عورتیں نشو و نما پا رہی تھیں اس لئے
سب سے پہلی ضرورت یہ تھی کہ رسول اللہ صلعم خود اپنے ازواج کو
مہذب و شائستہ بناتے کیونکہ اگر ایسا نہ کرتے تو پھر وہ تعلیم و اصلاح
انہیں کے ذریعہ سے تمام عالمِ نسوان میں پھیلائی جانے والی تھی
کوئی نتیجہ نہ پیدا کر سکتی، چنانچہ آپ نے سب سے پہلے انہیں کی تعلیم
شروع کی اور یہ آیت بھی حقیقتاً اُس تعلیم کا ایک ٹکڑا ہے۔ ظاہر ہے
کہ رازداری کیسی ضروری چیز ہے خاصکر ایک عورت کے لئے کہ اگر وہ

اپنے شوہر کے حق میں امینِ راز نہ ثابت ہو تو ہزاروں خرابیاں پیدا ہو جائیں۔ یہ بالکل ممکن ہے کہ رسول اللہ صلعم نے کوئی معمولی یا اہم بات اپنی کسی بی بی سے کہدی ہو اور اُس نے ظاہر کر دیا ہو۔ لیکن چونکہ یہ معاملہ اصلاحِ نسوان سے تعلق رکھتا تھا اس لئے اللہ نے ایک آیت نازل کردی تاکہ اس کی اہمیت بہت زیادہ بڑھ جاوے۔ اگر راز کے افشار کرنے پر اُمہات المومنین کو فہمائش نہ کی جاتی تو عام مستورات پر اُن کا کیا اثر پڑتا۔ اور اس صورت میں تو ہر عورت بجائے خود ڈر جائیگی کہ جب اُمہات المومنین کی گرفت اس لغزش میں ہوئی تو ہم کس شمار میں ہیں۔ یہ ایک نہایت حکیمانہ تنبیہ تھی جو عورتوں کی اس کمزور فطرت کو نمایاں کر کے اس کی اصلاح کے لئے کی گئی تھی اور اُن کو بتایا گیا تھا کہ دیکھو حفظِ راز سخت ضروری امر ہے۔ اس لئے اب اس امر کی کاوش کرنا کہ وہ راز کیا تھا جو رسول اللہ صلعم نے کہا اور وہ کونسی بیوی تھی جس نے ظاہر کیا فضول ہے۔ نزول آیت سے یہ قیاس قائم کرنا کہ وہ کوئی بڑی اہم بات تھی درست نہیں، کیونکہ محض افشار راز اک قابلِ سرزنش امر تھا خواہ اُس کا تعلق کسی اہم بات سے ہو یا نہ ہو۔ وہ بالکل خانگی بات تھی اور رسول اللہؐ نے خود کبھی اس کو نہیں بتایا کہ وہ کیا تھی، پھر ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ تین سو برس کے بعد اُس کی تحقیق کیونکر ہوئی۔ اگر یہ کہا جائے کہ وہ بات خود امہات المومنین کی روایات سے معلوم ہوئی تو اور زیادہ حیرت واستعجاب ہے کہ جس بات کو خود رسول اللہ صلعم نے نہیں ظاہر کیا اس کا اظہار اُمہات المومنین نے عورت ہو کر کیونکر کیا جبکہ وہ بات بالکل متعلق زن و شوہر سے متعلق ہو۔ امر کوئی ضروری نہیں ہے کہ جس پر ایک

جماعت متفق ہو وہ صحیح بھی ہو ہرچند بعض مفسرین و مورخین نے اُن روایات کو تسلیم کیا ہے جو ازواج پاک سے منسوب کی جاتی ہیں لیکن خود اُن میں اس قدر اختلاف و تضاد ہے کہ ایک محقق کے لئے بڑی مشکل پڑ جاتی ہے کہ وہ کس کو صحیح سمجھے اور کس کو غلط۔ شیعی جو روایات پیش کرتے ہیں انہیں حنفی تسلیم نہیں کرتے جن کو حنفی پیش کرتے ہیں وہ شیعی نہیں مانتے، جو خارجی بیان کرتے ہیں اُن کو یہ دونوں صحیح نہیں سمجھتے، حالانکہ ہر فریق اپنی روایات کی صداقت میں کافی شہادت رکھتا ہے مثلاً شیعی اس بات کا ثبوت دیتے ہیں کہ حضرت عائشہ رض کو رسول اللہ صلعم کی سخت دشمن تھیں اور انہوں نے بی بی حفصہ رض سے مشورہ کر کے کئی دفعہ رسول اللہ صلعم کو زہر دیدینا چاہا مگر موقعہ نہ ملنے سے وہ آرزو پوری نہ ہو سکی، سُنّی اس سے بالکل انکار کرتے ہیں اور اُس کے برخلاف ثابت کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ رض کو رسول اللہ صلعم سے بہت الفت تھی۔ اب سمجھ میں نہیں آتا کہ تیسرا آدمی جو نہ حنفی ہے اور نہ شیعی ان متضاد روایتوں سے کیا نتیجہ نکالیگا اور وہ کیا خیال کرے گا۔ سلسلۂ روایات پر نگاہ ڈالے گا تو دونوں فریق صحیح معلوم ہوں گے اس لئے مجبوراً اُسے درایت سے کام لینا پڑے گا جو بہترین طریقہ ایسی صورتوں میں کشف حقیقت کا ہے۔

اب ہم مسئلۂ زیر بحث پر آتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ اس معیار پر وہ کس طرح اُترتا ہے +

مجمع البیان طبرسی میں جو شیعی فرقہ کی بڑی معتمد علیہ کتاب ہے اس واقعہ کی نسبت ان الفاظ میں حقیقت کا اظہار کیا گیا ہے کہ:-

قبل ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قسم الايام بين النسأ
فلما كان يوم حفصة قالت يا رسول الله ان لى الى ابى حاجتہ
فاذن لى ان ازوره فاذن لها فلما خرجت ارسل رسول
الله صلے الله عليه وسلم الى جاريته مارية القبطيه ام
ابراهيم وقد كان اهداها المقوقس فادخلها بيت حفصة
فوقع عليها فاتت حفصة فوجدت الباب مغلقا فجلست
عند الباب فخرج رسول الله صلے الله عليه وسلم
ووجهه يقطر عرقا فقالت حفصة انما اذنت لى من
اجل هذا ادخلت امتك بيتى ثم وقعت عليها فى يومى
وعلى فراشى ما رأيت فى حرمة وحقا فقال رسول الله
صلعم اليس هى جاريتي قد احل الله ذلك لى اسكتى وهى
حرام على التمس بذلك رضاك ولا تخبرى بذلك
امرأة منهن وهو عندك امانة فلما خرج رسول الله صلعم
قرعت حفصة الجدار الذى بينها وبين عائشة فقالت
الا ابشرك ان رسول الله صلعم قد حرم عليه امته
ماريه وقد اراحنا الله منها واخبرت عائشة بما رأت
وكانتا متصافيتين متظاهرتين على ساير ازواجه فنزلت
يايها النبى لم تحرم ما احل الله لك فاعتزل نساءه لتسعة
وعشرين يوماً وقعد فى مشربة ام ابراهيم مارية حتى
نزلت آية التخيير وقيل ان النبى صلعم خلا يوم عائشة مع
جارية القبطيه فوقعت حفصة على ذلك فقال لها

رسول اللہ صلعم لا تعلمی عائشة بذلك وحرم ماریة علی نفسه فاعلمت حفصة عایشة واستکتمتها ایاه فاطلع اللہ نبیه علی ذلك وهو قوله تعالیٰ اذ اسر النبی الیٰ بعض ازواجه حدیثا یعنی حفصة ولما حرم ماریة القبطیة اخبر حفصة انه یملك من عبده ابوبکر وعمر فعرفها بعض ما افشت من الخبر واعرض عن بعض انا ابابکر وعمر یملکان بعدی وقریب من ذلك ماروا ه العیاشی بالاسناد عن عبد اللہ بن عطاء المکی عن ابی جعفر علیه السّلام الا انه زاد فی ذلك ان کل واحد منهما حدیث ایاها بذلك فعاتبهما فی امر ماریة وما افشتا علیه من ذلك واعرض ان یعاتبهما فی الامر الآخر،

یعنی کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلعم نے اپنے دن اپنی بیویوں میں تقسیم کردئے تھے۔ ایک دن بی بی حفصہؓ کی باری تھی اُنہوں نے رسول اللہ صلعم سے کہا کہ آج مجھے اپنے باپ (عمرؓ) سے کچھ کام ہے مجھ کو اجازت دیجئے کہ اُن سے مِل آؤں۔ رسول اللہ صلعم نے اجازت دیدی۔ جب بی بی حفصہؓ چلی گئیں تو رسول اللہ صلعم نے اپنی کنیز ماریہ قبطیہ کو جو ابراہیم کی والدہ تھی اور جسے مقوقش نے ہدیتہً رسول اللہ صلعم کے پاس بھیجا تھا طلب کیا۔ وہ آئی اور رسول اللہ صلعم نے اُس سے مقاربت کی۔ اتنے میں بی بی حفصہؓ واپس آگئیں، دیکھا تو دروازہ بند تھا، پھر رسول اللہ صلعم باہر تشریف لائے اس حال میں کہ آپ کے چہرہ سے پسینہ ٹپک رہا تھا حفصہؓ نے کہا کہ آپ نے میرے ہی حجرہ میں لونڈی سے مقاربت کی اور

میرے ہی بستر پر اور آپ نے ذرا میرا خیال نہ کیا، حضور انور نے
کہا کہ اے حفصہ رض تو جانتی ہے کہ خدا نے اُسے میرے لئے حلال کیا ہے،
مگر تو خاموش رہ کہ میں اُسے آئندہ سے اپنے اوپر حرام کرتا ہوں، میں
تیری رضاجوئی چاہتا ہوں لیکن تو اور بیویوں سے اس کی خبر نہ کرنا یہ راز
تیرے پاس امانت ہے۔ جب رسول اللہ صلعم باہر تشریف لیگئے
تو بی بی حفصہ رض نے اُس دیوار میں سوراخ کر کے جو حضرت عائشہ رض اور
بی بی حفصہ رض کے درمیان تھی، عائشہ رض سے کہا کہ میں تمہیں ایک خوشخبری
سُناتی ہوں اور وہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلعم نے اپنی کنیز ماریہ کو اپنے
اوپر حرام کرلیا اور اللہ نے ہمیں اُس کے فکر سے نجات دی اس کے علاوہ
جو کچھ دیکھا تھا وہ بھی سب بیان کیا۔ یہ دونوں بیویاں باہم بہت دوست
تھیں، پھر یہ آیت نازل ہوئی کہ یایھا النبی لم تحرم ما احل اللہ
لک (اے نبی وہ چیز اپنے اوپر کیوں حرام کرلی جس کو اللہ نے تیرے
لئے حلال کیا ہے) اس آیت کے نازل ہونے پر رسول اللہ صلعم ۲۹
دن تک اپنی بیویوں سے علیحدہ رہے اور ماریہ قبطیہ کے بالاخانہ پر رہے
دوسری روایت میں یہ ہے کہ رسول اللہ صلعم حضرت عائشہ رض کے حجرہ میں
ماریہ سے مقاربت فرما رہے تھے کہ بی بی حفصہ رض نے دیکھ لیا، رسول اللہ
نے حفصہ رض سے کہا کہ عائشہ رض سے اس کا ذکر نہ کرنا میں نے ماریہ کو اپنے اوپر
حرام کرلیا ہے، لیکن بی بی حفصہ رض نے حضرت عائشہ رض سے کہدیا اور
تاکید کردی کہ دیکھو یہ بات کس پر ظاہر نہ ہوئی، لیکن اللہ نے آنحضرت کو
اس افشاء راز کے حال سے مطلع کردیا اور اس آیت کا نزول ہوا اذا
سر النبی الی بعض ازواجہ حدیثا اور جب ماریہ قبطیہ کو اپنے

اوپر حرام کیا تو رسول اللہ صلعم نے حفصہؓ کو یہ بھی اطلاع دی کہ میرے
بعد ابوبکرؓ و عمرؓ خلیفہ ہوں گے۔ بعض نے اس سے انکار کیا ہے لیکن
صحیح یہ ہے جو عیاشی نے باسناد عبداللہ بن عطاء المکی ابی جعفر سے
روایت کی ہے کہ دونوں بیویوں نے اپنے اپنے باپ کو خلافت کی خبر
دی اور جب رسول اللہ صلعم کو یہ معلوم ہوا تو آپ نے دونوں پر عتاب
کیا کیونکہ ماریہ کے معاملہ میں اُنھوں نے رسول اللہ صلعم کا راز ظاہر کر دیا
تھا۔" یہ ترجمہ ہوا مجمع البیان طبرسی کے مضمون کا۔ اب اگر آپ غور کرینگے
تو معلوم ہوگا کہ کیسی خلافِ عقل باتیں اس میں درج ہیں اور کبھی فہم سلیم
انہیں قبول نہیں کر سکتی۔ سب سے پہلے تو اس بات کو دیکھنا چاہیئے
کہ جب رسول اللہ صلعم بی بی حفصہؓ کے حجرہ میں تشریف لائے تو اُن کا
اجازت لے کر چلا جانا کس بنا پر ہو سکتا تھا۔ ظاہر ہے کہ رات کو دفعۃً
یوں آپ کا چلا جانا جبکہ رسول اللہ صلعم موجود ہوں کوئی معنی نہیں رکھتا
ہر بیوی کی باری نویں دن آتی تھی۔ اس لئے اگر اُس دن اگر آپ کو کوئی
کام ہوگا تو دن ہی کو کر لیا ہوگا یا کسی اور دن پر اُٹھا رکھا ہوگا خاص
اُس وقت جبکہ رسول اللہ صلعم تشریف لائیں ان کا چلا جانا کسی قوی سی
قوی وجہ کی بنا پر نہیں ہو سکتا۔ یونہی اچانک بیٹھے بٹھائے ایسی شدید
حاجت جانے کی پیدا ہو جانا کچھ سمجھ میں نہیں آتی اور اگر یہ کہا جائے
کہ حضرت عمرؓ نے بلا بھیجا ہوگا، کوئی آدمی اُن کا آیا ہوگا تو اُس کا کہیں
اس روایت میں ذکر نہیں ہے، بہر حال اول تو خاص باری کے
دن بی بی حفصہ کا چلا جانا ہی قرین قیاس نہیں اور اگر ہم اس کو تسلیم بھی
کر لیں تو پھر یہ عجیب و غریب بات ہے کہ رسول اللہ صلعم نے اپنی کنیز

ماریہ کو وہاں کیوں بلایا۔ ماریہ قبطیہ کا مکان نزدیک تھا کچھ دور نہ تھا
اور رسول اللہ صلعم وہاں آرام سے فوراً پہنچ سکتے تھے۔ مگر اس کے
تسلیم کرنے کے بعد بھی کہ بی بی حفصہ رض چلی گئیں، آپ نے ماریہ کو وہاں
بلایا بھی، مقاربت بھی کی، اتنی ہی دیر میں بی بی حفصہ رض پھر واپس بھی
آگئیں اور انہیں علم بھی ہوگیا یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ رسول اللہ صلعم کو
خوف کیوں ہوا، کیا وہ نہیں جانتے کہ بی بی حفصہ رض کو یہ علم ہے کہ کنیز
حلال ہے اور نفس فعل مقاربت ایک کنیز کے ساتھ باعث ملامت
نہیں ہو سکتا، اور خوف بھی پھر معمولی خوف نہیں ایسا خوف کہ رسول اللہ صلعم
نے فوراً ماریہ کو اپنے اوپر حرام و ناجائز کر لیا ہو، علاوہ اس کے حضرت
عائشہ رض سے کیا خوف تھا کہ اُن سے کہنے کو منع کر دیا یہ واقعہ حضرت عائشہ رض
کے حجرہ کا نہ تھا کہ ان پر کچھ اثر پڑتا، اُن سے کیا تعلق تھا بلکہ یہ تو حضرت
عائشہ رض کے لئے اور مسرت کی بات تھی کہ ماریہ کو اپنے اوپر حرام کر لیا
تھا جس کی نسبت کہا جاتا ہے کہ ولادت ابراہیم کی وجہ سے رسول اللہ صلعم کو
اُس سے زیادہ اُلفت و محبت تھی۔ اس کے بعد نزول آیہ لم تحرم
ما احل اللہ لک کا ذکر ہے، یعنی اس آیت یا راز والی آیت کے نازل
ہونے سے آپ برہم ہو گئے اور ۲۹ دن تک کسی بیوی کے پاس نہیں
گئے اور صرف ماریہ قبطیہ کے پاس رہے۔ کہاں تو رسول اللہ صلعم کو وہ خوف
تھا کہ ماریہ کو اپنے اوپر حرام کر لیا، یہ تاکید کر دی کہ اس راز کا افشا نہ
ہو اور اُسی اضطراب و خوف کے عالم میں یہاں تک ہوا کہ ابوبکر رض و عمر رض کے
خلیفہ ہونے کا بھی وعدہ کر لیا کہ کسی طرح حفصہ رض و عائشہ رض خوش رہیں
کہاں یہ دلیری و بے خوفی کہ ۲۹ دن تک کسی بیوی کے پاس نہ گئے

اور اُسی کنیز کے پاس رہے جس کی وجہ سے یہ سب جھگڑا پیدا ہوا۔ پھر جب رسول اللہ صلعم میں یہ جرأت تھی کہ وہ بغیر کسی خیال کے ایک ایک مہینہ ایک بیوی یا کنیز کے پاس بسر کر سکتے تھے (جیسا کہ اس صورت میں ہوا) اور کسی بیوی کو مجال دم زدن نہ ہوتی تھی تو سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ کیا خوف تھا جس نے رسُولَ اللہ صلعم کو اس بات پر مجبور کیا کہ ماریہ کو اپنے اوپر حرام کر لیں اور ڈر کے مارے عائشہ رض و حفصہ رض کی خوشنودی کی غرض سے ابو بکر رض و عمر رض کی خلافت کا بھی وعدہ فرمالیں۔ ایک صورت تو یہ تھی دوسری صورت یہ ہے کہ رسول اللہ صلعم نے بی بی عائشہ رض کے حجرہ میں ماریہ سے مقاربت کی تھی اور بی بی حفصہ رض نے دیکھ لیا تھا۔ پھر جب بی بی عائشہ رض کے حجرہ میں یہ ہوا تو بی بی حفصہ رض سے رسول اللہ صلعم کو ڈرنے کی کیا ضرورت تھی کہ اُن کے خوف کی وجہ سے ماریہ کو اپنے اوپر حرام کر لیا۔ علاوہ اس کے یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ بی بی عائشہ رض کی باری میں بی بی حفصہ رض کا اُن کے حجرہ میں چلا جانا کیا معنی رکھتا ہے اور نہ یہ پتہ چلتا ہے کہ بی بی عائشہ رض اپنے حجرہ سے نکل کر کہاں چلی گئی تھیں جبکہ پردہ کا حکم ہو چکا تھا، اگر یہ کہا جائے کہ بی بی عائشہ رض اپنے باپ کے گھر گئی تھیں تو ابو بکر کا مکان مسجد نبوی سے ۳ میل کے فاصلہ پر تھا اور یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ حضرت عائشہ رض خاص اپنی باری کے دن وہاں چلی گئی ہوں جبکہ وہ اس سے قبل یا بعد جب چاہتیں، آسانی سے جا سکتی تھی .... اور اگر یہ کہا جائے کہ اُن کی باری کا دن تھا تو پھر اس بات کے سمجھنے سے فہم قاصر ہے کہ ماریہ قبطیہ کو حضرت عائشہ رض کے حجرہ میں کیوں بلایا جبکہ وہاں وہ آسانی سے

... غرض یہ ہیں علاوہ اس کے باتیں جو اس آیت کے
شانِ نزول کے متعلق ظاہر کی جاتی ہیں اور جس کو کوئی سنجیدہ ومتین
شخص رسول اللہ صلعم کی پاک ہستی سے منسوب نہیں کر سکتا۔ رہا یہ
سوال کہ یہ روایت مجمع البیان طبرسی میں کہاں سے آئی تو اس کا جواب
وہی ہے کہ ابتدا سنین ہجری میں جو مخالفت مسلمانوں کے دو گروہ میں
پیدا ہو گئی تھی وہ اس کا باعث ہوئی۔ اول اول یہ مخالفت ملکی تھی،
پھر اُس نے مذہبی صورت اختیار کر لی یہانتک کہ موضوع روایات کا
سلسلہ شروع ہو گیا اور ایک دوسرے کو بُرا ثابت کرنا زندگی کا مقصدِ
وحید۔ کیسا افسوسناک امر ہے کہ باہمی بغض وعناد کی وجہ سے رسول اللہ صلعم
کی آڑ تلاش کی گئی اگر یوں عقلاً بحث کیجاتی اور پھر الزامات لگائے
جاتے تو کوئی بات نہ تھی لیکن ظلم یہ ہے کہ احادیث وضع کی گئیں،
رسول اللہ صلعم کی طرف غلط اقوال منسوب کئے گئے اور صرف غرض
یہ تھی کہ مخالف کی بُرائی چاہی جائے +

اس روایت کو ابو جعفرؑ سے منسوب کیا جاتا ہے حالانکہ کبھی یہ
بات باور نہیں کیجا سکتی کہ حضرت ابو جعفرؑ نے اپنے نانا کے خانگی
تعلقات کو یوں عام طور پر بیان کیا ہوگا جبکہ اس بیان سے کسی شرعی
مسئلہ پر بھی کوئی روشنی پڑتی نظر نہیں آتی۔ ہاں اگر کوئی مذہب اسلام کا
کوئی خاص مسئلہ ہوتا تو خیر یہ سمجھ میں آجاتا کہ مجبوراً حضرت جعفرؑ نے
بیان کیا ہوگا، لیکن جبکہ کوئی بات ایسی نہ تھی تو پھر انہیں اس کے
بیان کی کیا ضرورت تھی۔ غرضکہ یہ اُن پر سخت اتہام ہے اور اس واقعہ
کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ درمیان میں جو راویوں کا سلسلہ ہے

وہ سب ایرانی النسل راویوں کا ہے جن کی نسبت یہ بھی یقین نہیں
کہ وہ مسلمان بھی تھے یا نہیں +

جب بخاری نے کئی لاکھ احادیث کا انتخاب کیا تو اُنہوں نے
اہل بیت کی روایات پر زیادہ توجہ نہیں کی کیونکہ انہیں کثرت سے
ایسی روایات کا انبار ملا جو اہل بیت کی تو نہ تھیں مگر اُن سے منسوب
تھیں۔ اگرچہ ایسی احادیث اُس وقت تک کسی کتاب کی صورت
میں نہ تھیں لیکن اُن کی اشاعت مخالفین میں اچھی طرح ہو گئی تھی بخاری
نے حالانکہ بہت کوشش کی اور بیحد جانفشانی کی ان تمام روایات مشہورہ
میں سے جو اہل بیت سے منسوب کی جاتی تھیں صحیح روایتوں کو لے لیں،
لیکن وہ ایسا دفتر بے پایاں تھا کہ یہ کام سخت دشوار ہو گیا اور آخر کار
پناہ اسی میں نظر آئی کہ اُن کو نظر انداز کر دیا جائے کیونکہ غلط روایات
کے ساتھ صحیح روایات سے دست بردار ہو جانا زیادہ آسان نہ تھا بہ نسبت
اس کے کہ صحیح روایات کے ساتھ غلط روایات بھی آجاتیں اور صحیح
تسلیم کر لی جاتیں۔ اسی بنا پر بخاری نے خاندان بنی اُمیہ کی روایتوں کو
بھی نہیں لیا کیونکہ وہاں بھی یہی حالت تھی اور اُن میں بھی بُوئے
مخالفت پائی جاتی تھی۔ جب بخاری کی ترتیب ہو چکی تو اُس کے پچاس
سال کے بعد اُن روایات کی ترتیب شروع ہوئی جن سے مجمع البیان
طبرسی و کلینی ماخوذ ہیں۔ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ ان میں تمام روایات غلط
ہی ہیں لیکن سوال یہ ہے کہ آخر جو صحیح روایات ہیں وہ علٰحدہ کس طرح
ہو سکیں اور وہ کونسی صورت ہے کہ ہم کو صحیح و غلط کا اندازہ بیک
نظر ہو سکے۔ یہی مشکلات تھیں کہ علم اسمار الرجال کی بنیاد پڑی، لیکن

پھر بھی (اللہ محققین فنِ حدیث کی نفوس قدسیہ پر نزول رحمت کرے)
درایت تحقیق روایات میں ضروری چیز سمجھی گئی، کیونکہ علم اسماء الرجال
کی ترتیب کے بعد بھی یقینی طور سے نہیں کہا جاسکتا کہ راوی کے
تمام ضروری حالات معلوم ہو گئے ہیں یا نہیں اس لئے روایتوں
میں علم اسماء الرجال کی ترتیب کے بعد بہت اختلاف رہا یہ تو ظاہر
ہے کہ رسول اللہ صلعم سے اکثر و بیشتر احادیث بالمعنی روایت ہوئی
ہیں اور عربی زبان کی وسعت کی کچھ انتہا نہیں۔ پھر اس پر موقعہ محل کا
لحاظ، لب ولہجہ کا خیال، ترکیب فقرات کا ضبط، یہ اجتہاد کہ جو کچھ
رسول اللہ صلعم نے فرمایا وہ حقیقتاً خود رسول اللہ صلعم کی ذاتی رائے
تھی یا دوسروں کے اقوال و قصص تھے۔ یہ سب ایسی باتیں تھیں
جن کی نسبت صدیاں گذر جانے کے بعد کبھی یقین سے نہیں کہا
جاسکتا تھا کہ واقعی یہ حدیث رسول اللہ صلعم کی ہے اور یہ نہیں،
مجبوراً محدثین نے درایت کو احادیث کی جانچ میں جزو ضروری قرار
دیا کہ بغیر اُس کے کوئی چارہ نہ تھا۔ امام مالک کتنے بڑے ماہر فن حدیث
گذرے ہیں کہ ان کا مثل زمانہ پیش نہیں پیش کر سکا، لیکن جب خلیفہ
ہارون الرشید نے آپ سے کہا کہ میں آپ کی موطا کو خانہ کعبہ کے
دروازہ پر آویزاں کئے دیتا ہوں اور حکم عام دیئے دیتا ہوں کہ تمام
مسلمان اسی کے مطابق عمل کریں تو امام مالکؒ کانپ گئے اور کہا کہ
اے امیر المومنین ایسا نہ کیجئے کیونکہ ممکن ہے اوروں کے پاس
ان سے زیادہ صحیح احادیث ہوں اور وہ اُن پر عمل کرتے ہوں

امام مالکؒ کا خیال اور امام مالکؒ وہ شخص تھے جنہوں نے فن حدیث کے تنقیہ و تحقیق میں اس قدر جانکاہی کی تھی کہ آپ نے اپنے بیٹے کو کئی لاکھ حدیثیں یاد کرائیں جب یاد ہو چکیں تو کہا کہ تمہیں معلوم ہے میں نے یہ حدیثیں تمہیں کیوں یاد کرائی ہیں اُنہوں نے جواب دیا کہ یہ احادیث نبویؐ ہیں اور ان کے یاد کرانے سے یہی مقصد ہے کہ میں ان پر عمل کروں۔ امام مالکؒ نے فرمایا کہ نہیں یہ مدعا نہیں ہے بلکہ یہ احادیث جو میں نے تمہیں یاد کرائی ہیں سب موضوع و غلط ہیں ان کے علاوہ اگر کوئی حدیث تمہیں ملے تو پھر غور کرنا کہ یہ صحیح ہے یا غلط۔ یہ تھا اُن محققین کا حال جنہوں نے اپنی عمریں صرف کر دی تھیں اور یہ تھا حال غلط روایات کے انبار کا جو اُس زمانہ میں پایا جاتا تھا، پھر اگر حضرت عائشہؓ کے معاملہ میں اس قسم کی غلطی ہوئی ہو تو کوئی جائے عجب نہیں۔ چونکہ شروع یہ بات مان لی گئی تھی کہ حضرت عائشہؓ و حضرت فاطمہؓ میں باہم عداوت ہے اور اُن لوگوں کو جو حضرت رسول اللہ صلعم کے بعد حضرت علیؓ کو خلیفہ دیکھنا چاہتے تھے اس بات کا یقین تھا کہ حضرت ابو بکرؓ کا خلیفہ کیا جانا محض حضرت عائشہ صدیقہؓ کی وجہ سے ہوا اس لئے وہ فطری کمزوری جس سے ہر زمانہ کا انسان مجبور ہو جاتا ہے اس اختلاف کی محرک ہوئی اور اُس نے ایک طوفان بدتمیزی برپا کر دیا، ورنہ حقیقت یہ ہے کہ نہ حضرت عائشہؓ کو حضرت فاطمہؓ سے عداوت تھی اور نہ حضرت فاطمہؓ کو حضرت عائشہؓ سے کچھ عناد تھا، اگر حضرت ابو بکرؓ خلیفہ ہوئے تو یہ خدا کی مرضی تھی نہ اس میں حضرت عائشہ کو کچھ دخل تھا اور نہ حضرت علیؓ نے

کبھی اس کا بُرا مانا۔ اس میں کلام نہیں کہ آنحضرت صلعم حضرت فاطمۃ الزہرا سے بہت محبت فرماتے تھے اور آپ کو نہ صرف اُن سے بلکہ اپنی تمام لڑکیوں سے جب تک وہ زندہ رہیں بہت محبت تھی، چونکہ حضرت فاطمہؓ کے دو بچے حسنینؑ موجود تھے اس لئے رسول اللہ صلعم اور زیادہ توجہ فرماتے تھے۔ رسول اللہؐ کی فطرت میں محبت کا مادہ بہت ودیعت تھا۔ جب آپؐ کے صاحبزادہ ابراہیمؓ کا انتقال ہوا اور آپ کو خبر ہوئی تو آپؐ بہت روئے یہانتک کہ آپ کی ہچکی بندھ گئی اس پر بعض صحابہؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلعم آپ کیوں اس قدر زاری فرماتے ہیں جبکہ آپ ہمیں زاری کرنے سے روکتے ہیں، آپ نے فرمایا کہ دل کے تعلقات عجیب و غریب ہوتے ہیں، میں نہیں روتا بلکہ میرا دل رو رہا ہے۔ آپؐ رستہ چلتے چلتے چھوٹے بچوں کو پیار کرنے لگتے تھے اُن کے سروں پر ہاتھ پھیر کر انہیں دعا دیتے تھے، جبکہ آپ کی محبت کا دوسروں کی اولاد کے ساتھ یہ حال تھا تو ظاہر ہے کہ فاطمہ زہراؓ اور اُن کی اولاد سے کس قدر محبت کرتے ہوں گے، لیکن اس سے یہ سمجھنا کہ رسول اللہ صلعم کو اپنے ازداج کے ساتھ محبت نہ تھی غلط استدلال ہے۔ حضرت عائشہؓ کو تو اُس وقت جلنے یا حسد کرنے کا موقعہ تھا جب رسول اللہ صلعم اُن کے محل پر اُن سے محبت نہ کرتے یا اُس لحاظ سے کسی دوسرے کو ترجیح دیتے، جب یہ کوئی بات نہ تھی تو حضرت عائشہؓ کو کیا ضرورت تھی کہ وہ حضرت فاطمہؓ یا اُن کی اولاد، یا اُن کے شوہر حضرت

علی رضؓ سے جلتیں۔ جو کشش کہ اہل بیت رضؓ اور حضرت عائشہ رضؓ کے
کے مابین بیان کی جاتی ہے وہ بالکل بے بنیاد ہے اور اُس کا
ثبوت کسی صحیح روایت سے نہیں ہوتا اور نہ اُس میں کچھ واقعیت
ہے۔ ایک مشہور روایت چلی آتی ہے کہ جب حضرت عائشہ رضؓ پر
الزام لگایا گیا ہے اور رسول اللہ صلعم نے تمام صحابہ رضؓ سے اس معاملہ
میں مشورہ لیا ہے تو سب نے حضرت عائشہ رضؓ کی سفارش فرمائی
مگر حضرت علی کرم اللہ وجہ نے فرمایا کہ آپ کیوں اس قدر متردد
ہیں اور عورتیں نکاح کے لئے موجود ہیں، اگر یہ صحیح بھی۔ ہے تو بھی
اس سے یہ قیاس قائم کرنا کہ حضرت علی کرم اللہ وجہ کا ایسا فرمانا
کسی عداوت یا عناد کی بنا پر تھا صحیح نہیں کیونکہ آپ نے بہر حال
ایک معقول بات کہی کہ اگر رسول اللہ صلعم کوئی خیال حضرت
عائشہ صدیقہ رضؓ کی طرف سے ہے تو دوسرا نکاح کر سکتے ہیں،
متردد ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔ مگر بات یہ ہے کہ جب کسی کی طرف
سے پہلے کوئی خیال قائم کر لیا جاتا ہے تو اُس کی ہر بات کی تاویل
کرنے میں اُسی خیال سے مدد لی جاتی ہے چونکہ ایسا بعض لوگوں
نے خیال کر لیا تھا کہ حضرت علی کرم اللہ وجہ حضرت عائشہ صدیقہ
سے خوش نہیں ہیں اس لئے اُن کے قول کے یہی معنی لئے گئے
ہیں کہ وہ حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ کی مخالفت کر رہے ہیں، یا دوسرا
واقعہ جنگ جمل کا ہے کہ موافقین حضرت علی کرم اللہ وجہ اُس
سے حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ کا عناد ثابت کرنے کی کوشش کرتے
ہیں کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ کو شہادت عثمان غنی رضؓ کا ایک بہانہ

ہاتھ آگیا اور وہ حضرت علیؓ سے برسرِ پیکار ہوگئیں اور اس طرح اپنا دیرینہ غبار نکالا، مگر انشاء اللہ ہم آئندہ اس مسئلہ پر ایک بسیط نگاہ ڈالیں گے اور ثابت کریں گے کہ واقعات ایسے نہیں تھے جن سے یہ نتیجہ نکالا جائے۔ اس میں کلام نہیں کہ حضرت عائشہؓ، حضرت علیؓ کے مقابلہ میں آئیں، لیکن اُس کے اسباب کچھ اور تھے اور اُن کو باہمی رنجش و عداوت سے کوئی واسطہ نہ تھا جن کا ذکر آئندہ صفحات میں آئے گا۔ بہرحال ہمارا مدعا یہ ظاہر کرنا تھا کہ افشار راز کے متعلق حضرت عائشہ صدیقہؓ پر جو یہ الزام رکھا جاتا ہے کہ اُنھوں نے اپنے باپ صدیق اکبرؓ سے کہدیا کہ رسول اللہ صلعم نے آپ کی خلافت کا وعدہ کیا ہے اور اس کو معلوم کر کے رسول اللہ صلعم ناراض ہوئے اور آیتہ کلام اللہ کی نازل ہوئی، غلط ہے اور اس کو ہم بالتفصیل بیان کر چکے ہیں کہ اس نوع کی روایات کس طرح ظہور میں آئیں، کوئی راز ہوگا جس کا ہمیں علم نہیں اور نہ رسول اللہ صلعم نے کبھی اس کا اظہار کیا اب اُس کے پیچھے اس قدر کاوش فعل عبث ہے اصل مدعا عورتوں کو رازداری کی تعلیم دینا تھی اور وہ باحسن وجوہ دے دی گئی ؎

باب ششم

یوں تو بیانِ ماسبق بہ خوبی واضح ہو گیا ہوگا کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ اشرفِ نساءِ عالم تھیں اور ان کے فضائل و خصائص اس قدر تھے کہ اُن کا ایک جزو بھی دنیا کی کسی عورت میں نہیں پایا جا سکتا، لیکن آپ کی زندگی کا وہ اہم ترین واقعہ، جس نے آپ کے فضائل کو غیر معمولی و عجیب و غریب اہمیت دے دی، اور جس نے عالم کو ثابت کر دیا کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ نہ صرف محبوبۂ رسول صلعم بلکہ محبوبۂ بارگاہِ الٰہیہ بھی تھیں، واقعۂ افک ہے۔ اس واقعہ سے آپ کی فضیلت، طہارتؓ اور عظمت ازروئے نصِ قطعی ثابت ہوتی ہے جو ایک فردِ نوعِ انسانی کے لئے باعثِ صد ناز و افتخار ہے۔ اس واقعہ سے غالباً ہر مسلمان واقف ہوگا، لیکن اُس کی تفصیل نہ صرف اس لحاظ سے ضروری ہے کہ وہ سیرۃِ عائشہؓ کا ایک جزو لاینفک ہے، بلکہ اس اعتبار سے بھی قابل ذکر ہے کہ اُس میں کیا کیا رموز پنہاں ہیں، کیا کیا فوائد مضمر ہیں اور مخالفین نے اُس کو کس روشنی میں دیکھا ہے، جس سے اکثر ہمارے احباب واقف نہ ہوں گے۔ وما توفیقی الا باللہ العلی العظیم

اِفک (بکسر اول) لغت میں اس کے معنے ہیں اُلٹنا، پلٹنا اور اصطلاح میں اس سے مراد وہ بہتان ہے جو حضرت عائشہ صدیقہؓ پر رکھا گیا تھا، کیونکہ اس میں بھی ایک جھوٹ بات کو سچ کر کے دکھایا گیا

تھا جن کے مفہوم اچھے یا برے کا عیاں ہے۔ اس واقعہ کی تفصیل یہ ہے کہ جب رسول اللہ صلعم کہیں باہر خفیہ سفر فرمایا کرتے تھے تو امہات المومنین کے نام پر قرعہ ڈالا کرتے تھے اور جس کا نام نکل آتا تھا اُسی بیوی کو ساتھ لے جایا کرتے تھے۔ چنانچہ جب آپ غزوہ مصطلق تشریف لے جانے لگے، جس کو غزوہ مُریسیع بھی کہتے ہیں تو قرعہ جنابِ صدیقہ کے نام نکلا۔ یہ واقعہ ۵ھ کا ہے اور اس سے دو برس قبل پردہ کی آیت نازل ہو چکی تھی اور کوئی غیر محرم مرد عورت کے سامنے نہیں آسکتا تھا۔ جب رسول اللہ صلعم غزوہ سے واپس آرہے تھے تو اُس آخری منزل کے سفر میں جو مدینہ پہنچانے والی تھی ایک جگہ رات کو قافلہ کا قیام ہوا۔ حضرت عائشہؓ کی عادت تھی کہ جب منزل سے روانگی کا وقت قریب آتا تو آپ اپنے شغدف یا ہودج میں جو اونٹ پر کس دیا جاتا تھا اور اُس کے چاروں طرف پردے پڑے ہوتے تھے، بیٹھ جایا کرتی تھیں اور لوگ اُس ہودج کو اُٹھا کر اونٹ کی پیٹھ پر رکھ دیتے تھے اور ساربان اونٹ کی مہار پکڑ کر آگے ہو لیتا تھا۔ ہمیشہ یہی ہوا کرتا تھا چنانچہ جب اس منزل کے قیام کا وقت قریب ختم ہونے کے آیا اور تھوڑی رات رہے کوچ کی طیاری شروع ہوئی تو حضرت عائشہ صدیقہؓ حسب معمول قضائے حاجت کو باہر تشریف لے گئیں، جب آپ واپس تشریف لائیں اور اپنے محمل یا ہودج میں داخل ہوئیں تو آپ کو معلوم ہوا کہ گلے کا کنٹھا یا ہار نہیں ہے (یہ ہار ہڈی کا تھا جس کو وہ اپنی بہن سے عاریۃً لائی تھیں اور جس کی نسبت خود

حضرت عائشہؓ کا بیان ہے کہ اُس کی قیمت ۱۲ درم تھی اور اُس کے
دانے بہت خوبصورت تھے جن میں آنکھ کی سی سیاہی و سفیدی
پائی جاتی تھی) جب آپ کو وہ ہار گلے میں نہ ملا تو آپ نے خیال فرمایا
کہ میں قضائے حاجت کے لئے باہر گئی تھی بالکل ممکن ہے کہ وہیں
کُھل کر گر پڑا ہو یا کہیں راستہ میں پڑا ہو، آپ اُلٹے پاؤں واپس
گئیں۔ چونکہ آپ قضائے حاجت کے لئے لشکر کے حدود سے
ذرا فاصلہ پر چلی جاتی تھیں اس لئے آنے جانے میں دیر ہوئی اور
جب تک آپ اُس ہار کو ڈھونڈھ لائیں اِدہر قافلہ نے کوچ کر دیا
اور آپ کے محمل یا ہودج کو حسب معمول اونٹ پر رکھ کر کس دیا گیا
ابو مُوہیب جمال (جس نے ہودج اُٹھا کر رکھا تھا) یہ نہیں سمجھ سکا
کہ محمل خالی ہے یا نہیں۔ چونکہ آپ بہت کم سن، قلیل الغذا اور
دُبلی پتلی تھیں اس لئے جمال کو تمیز نہ ہوئی کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ
اُس کے اندر ہیں بھی یا نہیں۔ جب آپ ہار تلاش کر کے واپس
ہوئیں تو قافلہ کوچ کر چکا تھا اور وہاں کوئی متنفس نظر نہ آتا تھا۔
وہیں اس خیال سے ٹھیر گئیں کہ جب لوگوں کو معلوم ہوگا کہ میں
ہودج میں نہیں ہوں تو تلاش کرتے کرتے یہیں آئیں گے،
اور لے جائیں گے لیکن اسی انتظار میں آپ کو نیند آگئی اور غافل
سو رہیں۔ صبح کے قریب جب صفوان بن المعطل السلمی (جن کی
خدمت ہی یہ تھی کہ قافلہ کے کوچ کرنے کے بعد پڑاؤ سے گری
پڑیں چیزیں اُٹھائیں) آئے تو اُنھوں نے دیکھا کہ کوئی لیٹا ہوا
ہے، قریب آئے تو حضرت عائشہؓ کو مصروفِ خواب پایا، صفوان نے

حضرت عائشہ رضؓ کو پہچان گیا کیونکہ آیۂ حجاب کے نزول سے پہلے وہ حضرت عائشہ کو دیکھ چکا تھا) اور انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا حضرت عائشہ رضؓ کی فوراً آنکھ کھل گئی اور اپنا منہ چادر سے ڈھانپ لیا، اب اس جگہ حضرت عائشہ رضؓ کے بیان کے مطابق یہ معلوم ہوتا ہے کہ نہ اُس نے اِن سے کوئی سوال کیا اور نہ انہوں نے اُس سے کچھ کہا، مگر دیگر روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اُس نے ضرور حضرت عائشہ رضؓ سے یہاں رہجانے کی وجہ پوچھی، مگر اُنہوں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ بہرحال جب صفوان آیا اور آپ کو دیکھا تو وہ اپنے اونٹ سے اُتر پڑا آپ کو سوار کر کے اور خود مُہار پکڑ کے آگے ہو گیا؂

دوپہر کے قریب اگلی منزل پر جس کا نام نحر الطہیرہ تھا حضرت عائشہ رضؓ اپنے قافلہ سے جا ملیں۔ حضرت عائشہ رضؓ کا بیان ہے کہ جب میرا اونٹ لشکر میں پہنچا، تو پہلے اُن منافقین پر ہو کر گذرا جو لباس اسلام پہنکر لشکرِ اسلام میں داخل ہوئے تھے اور اُن کے سردار کا نام عبداللہ بن سلول تھا، کیونکہ مسلمین خالصین لشکر کے ایک کنارے اترا کرتے تھے۔ جب اہل قافلہ اپنے اونٹوں سے اتر کر بہ اطمینان بیٹھے تو مخالفین نے سرگوشیاں کیں اور حضرت عائشہ رضؓ کو بدنام کرنا شروع کیا، بدنام کرنے والے لوگوں میں ایک تو وہی عبداللہ منافق تھا اور دوسرا مسطح بن آثاثہ۔ مدینہ پہنچکر حضرت عائشہ رضؓ سخت بیمار ہو گئیں اور انہیں بالکل پتہ نہیں چلا کہ اُن کے دشمنوں نے اُنہیں کس قدر بدنام کیا۔ حضرت عائشہ رضؓ کا

قول ہے کہ جب میں مدینہ آئی تو ایک مہینہ تک بیمار رہی، مجھے سوائے اس کے کوئی خبر نہ تھی کہ جو شفقت رسول اللہ صلعم بیماری میں فرماتے تھے وہ اس دفعہ نہ تھی، میں نے عرض کی کہ اگر ہو تو میں اپنے باپ کے گھر چلی جاؤں، آپ نے اجازت دے دی اور میں چلی آئی۔ جب آپ کو کچھ صحت ہو گئی تو ایکدفعہ رات کو اپنی پھوپھی مسطح کی ماں کے ساتھ قضائے حاجت کے لئے جنگل تشریف لے گئیں، اس وقت تک گھروں میں عام طور سے بیت الخلا کا رواج نہیں تھا، وہاں اتفاقاً یا قصداً اُم مسطح کے منہ سے نکل گیا کہ ہلاک ہو مسطح، عائشہ رضؓ نے فرمایا کہ تم کیوں کوستی ہو اس پر ام مسطح نے کہا کہ اے عائشہ رضؓ تمہیں خبر نہیں کہ تمہاری نسبت خدا جانے ان لوگوں نے کیا باتیں مشہور کر رکھیں ہیں۔ یہ سُن کر حضرت عائشہ رضؓ گھر واپس ایں اور اپنی والدہ سے پوچھا کہ یہ کیا معاملہ ہے، انہوں نے فرمایا کہ اے بیٹی غم نہ کر واللہ تعالیٰ اس مشکل کو آسان کرے گا جو بیوی اپنے شوہر کے نزدیک بہت محبوب ہوتی ہے اُس کے ساتھ ایسی ہی باتیں ہوا کرتی ہیں اور دشمن جلکر اسی طرح بدنام کیا کرتے ہیں، یہ سُن کر حضرت عائشہ رضؓ کا قول ہے کہ مجھے زمین و آسمان تاریک نظر آنے لگا اور میں ایسا محسوس کرنے لگی گویا پھر بیمار پڑ گئی ہوں، بے اختیار رونے لگی اور ساری رات تڑپ کر کاٹی اور پھر صبح کو بھی روتی اُٹھی، اُس طرف جب رسول اللہ صلعم کے کانوں میں بھی یہ خبر پہنچی تو آپ دلگیر ہوئے اور صحابہ سے اس معاملہ میں مشورہ کیا۔ حضرت عمر رضؓ نے کہا کہ مجھے

اس بات کا یقین ہے کہ منافق جھوٹے ہیں اور عائشہ رضہ پاک
صاف ہیں کیونکہ مکھی جو نجاست پر بیٹھتی ہے، رسول اللہ صلعم کے
جسم پر نہیں بیٹھتی اور جب مکھی کا بیٹھنا اللہ کو آپ کے جسم مبارک پر
منظور نہیں تو وہ آپ کے اہل کے ساتھ اس گندگی کو کیونکر گوارا
کر سکتا ہے، حضرت عثمان غنی رضہ نے فرمایا کہ منافق جھوٹے ہیں اور
عائشہ رضہ بالکل پاک وصاف ہیں کیونکہ آپ کا سایۂ شریف زمین پر
نہیں پڑتا اس خیال سے کہ وہ پاؤں تلے نہ آئے، پھر جب
رسول اللہ صلعم کے سایہ کی اس قدر حفاظت ہے تو کیا اللہ رسول
کے اہل کی حفاظت نہ کرے گا، حضرت علی رضہ نے فرمایا کہ میری رائے
میں منافق جھوٹے ہیں اس سبب سے کہ آپ ایک دن نماز پڑھا رہے
تھے کہ آپ نے ایک جوتہ اُتار لیا جب پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا
کہ جبرئیل نے مجھے خبر دی ہے کہ اس کے تلے میں نجاست ہے
پھر جب اللہ کو آپ کے جوتے کی نجاست پسند نہیں تو وہ آپ کے
اہل کی نجاست کو کیونکر گوارا کرے گا، ایک روایت کے مطابق تو حضرت
علی رضہ کا یہ قول ثابت ہوتا ہے اور دوسری روایت کی رُو سے حضرت
علی رضہ کا یہ تقریر کرنا معلوم ہوتا ہے کہ "اگر آپ بیوی کو چھوڑنا چاہتے ہیں
تو یہ بات آسان ہے، مگر مقتضائے انصاف یہ ہے کہ پہلے اس کی
جانچ کی جائے کیونکہ اگر ایسی بات ہے تو وہ بریرہ سے (جو حضرت
عائشہ رضہ کی خادمہ تھی) نہیں چھپی رہ سکتی اور وہ سچ کہدے گی، اس پر
بریرہ طلب کی گئی اور آنحضرت صلعم نے پہلے اس کی جانچ حضرت
علی رضہ کے سپرد کی کہ وہ بریرہ سے دریافت و تحقیق کریں، حضرت

علیؓ نے بریرہ کو ڈرا کر، دھمکا کر، تسلی دلاسا دے کر ہر طرح پوچھا، لیکن اس نے ہر طرح حضرت عائشہؓ کی برات کی۔ اس کے بعد رسول اللہؐ نے خود بریرہ کو طلب کیا اور اُس سے کہا کہ کیا تو اس بات کا اقرار کرتی ہے کہ میں اللہ کا رسولؐ ہوں اُس نے کہا "ہاں" پھر اُس سے کہا کہ دیکھو جو میں دریافت کروں اُس کو ہرگز پوشیدہ نہ رکھنا، صاف صاف ظاہر کر دینا، اُس نے اس کا بھی وعدہ کیا، اس کے بعد رسول اللہ صلعم نے اُس سے دریافت کیا کہ کیا تو نے کبھی عائشہؓ کے چالچلن میں ایسی بات دیکھی ہے جو نامناسب ہو یا کسی طرح کا شبہ ہو سکے، اُس نے کہا کہ قسم ہے اُس خدا کی جس نے آپ کو سچا پیغمبر بنایا میں نے تو کوئی بات ایسی نہیں پائی جس سے حضرت عائشہؓ کے چالچلن پر کسی قسم کا شبہ ہو سکے ہاں اگر اُن میں کوئی عیب ہے تو یہی ہے کہ وہ آٹا گوندھکر سو جاتی ہیں اور بکری آکر کھا جاتی ہے، اس کے بعد رسول اللہ صلعم مسجد میں تشریف لائے اور خطبہ پڑھکر عبداللہ کی (جو اس بہتان کا محرک اول اور آپ کا پرانا مخالف تھا) شکایت کی کہ مجھے تکلیف دینے کے لئے میری بی بی پر ناحق تہمت لگاتا ہے حالانکہ سوائے خوبی کے کوئی برائی عائشہؓ کی ظاہر نہیں ہوئی اور جس آدمی کے ساتھ مطعون کرتے ہیں اُس کو بھی میں جانتا ہوں کہ وہ اچھا آدمی ہے، حضرت عائشہؓ سے جو روایت ہے اُس میں یہ ہے کہ جب رسول اللہ صلعم مسجد نبویؐ میں جاکر منبر پر کھڑے ہوئے تو آپ نے فرمایا کہ کون ہے مسلمانوں میں سے جو عذر داری کرے گا میری طرف سے اُس شخص کے خلاف جس نے ایذا پہنچائی مجھے میرے اہل کے

باب میں اور قسم ہے اللہ کی نہیں جانتا میں اپنی اہل کو ایسا اور نہ صفوان کو ایسا" یہ سُن کر حضرت سعد بن معاذ کھڑے ہو گئے اور عرض کی کہ میں عذرداری کرتا ہوں آپکی طرف سے اگر وہ شخص بنی اوس (یعنی میری قوم) میں سے ہے تو میں قتل کروں اُس کو اور اگر ہے وہ قوم خزرج میں سے تو بھی قتل کروں اُسکو۔ یہ سُن کر سعد بن عبادہ اور حسان جو اس قصہ میں منافقوں کے شریک تھے بولے کہ تو نہیں قتل کر سکتا خزرج کے آدمی کو، اس پر اُسید بن جعفر بولے کہ اے منافق ہم قتل کر سکتے ہیں اُس شخص کو جو رسول اللہ صلعم کو ایذا دے قریب تھا کہ قبیلہ اوس و قبیلہ خزرج میں جنگ ہو جائے مگر رسول اللہ نے اس فساد کو روک دیا۔ اس واقعہ کے بعد رسول اللہ صلعم حضرت ابو بکر صدیق رض کے مکان پر تشریف لے گئے، حضرت عائشہ رض اُس وقت تپ و لرزہ میں مبتلا تھیں، رسول اللہ صلعم حضرت عائشہ رض کے پاس بیٹھ گئے اور ان کی والدہ اُم رومان سے پوچھا کہ کیا حال ہے اُنہوں نے کہا کہ تپ ہے۔ یہ سُن کر حضرت عائشہ رض اُٹھ بیٹھیں۔ رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ اے عائشہ رض تیرے باب میں مجھے یہ خبر پہنچی ہے اگر تو بری ہے تو اللہ اُسے ظاہر کر دے گا اور اگر کوئی غلطی ہو گئی ہے تو اللہ سے توبہ کرو اور طلب مغفرت کرو۔ حضرت عائشہ رض کا بیان ہے کہ کہ جب رسول اللہ صلعم نے یہ فرمایا تو میرے آنسو خشک ہو گئے اور میں نے اپنے باپ سے کہا کہ کچھ جواب دو انہوں نے کہا کہ قسم اللہ کی میں نہیں جانتا کیا کہوں، پھر میں نے اپنی ماں سے کہا تو

کہ اُن کے والدین کچھ نہیں کہتے تو اُنہوں نے کہا کہ آپ نے یہ بات
سُنی اور اُسے سچا جان لیا اس لئے اگر میں اقرار کرلوں گی اُس امر کا
درانحالیکہ خدا خوب جانتا ہے میں اُس سے بری ہوں تو لوگ
سچا کہیں گے اور اگر میں انکار کردوں گی درانحالیکہ یہ انکار صداقت پر
مبنی ہوگا تو لوگ سچ باور نہ کریں گے پس ایسی حالت میں ہم وہی کہتے
ہیں جو ابو یوسف نے کہا تھا کہ فصبرٌ جمیل - واللّٰہ المستعان
علٰے ما تصفون - یہ کہکر آپ نے دوسری طرف کروٹ لے لی
اس کے بعد ہی آنحضرت صلعم کی حالت متغیر ہوئی، آپ پر چادر ڈالدی
گئی سرہانے تکیہ رکھدیا گیا اور نزولِ وحی شروع ہوا جب رسول اللّٰہؐ
کی یہ کیفیت زائل ہوگئی تو آپ نے آیۂ برارت پڑھی جو خدا کی طرف سے
حضرت عائشہ رضؓ کے تطہیر میں نازل ہوئی تھی - حضرت عائشہ رضؓ کی ماں نے
کہا کہ اے عائشہؓ کھڑی ہوکر رسول اللّٰہ صلعم کا شکرادا کرو آپ نے
جواب دیا کہ میں صرف خدا ہی کا شکرادا کروں گی جس نے صداقت کو
بے حجاب کردیا - اِس کے بعد مسطح بن اثاثہ، حسّان بن ثابت، حمنہ بنت
جحش طلب ہوئے اور اُن سے ثبوت طلب ہوا، یہ لوگ ثبوت کیا دیتے
ان لوگوں نے کہا کہ ہم نے محض معمولی افواہ سمجھکر بلا تحقیق وہ بات
کہدی تھی جس کا ہم کو علم نہ تھا - اس کے بعد ان لوگوں پر اور عبداللّٰہ پر
حدقذف (بہتان) جاری ہوئی اور اس طرح بدنام کرنے والے اپنی
سزا کو پہنچ گئے - آیات اِفک یہ ہیں :-

إن الذين جاءُوا بالإفك عصبة منكم ، لا تحسبوا
شرًّا لكم، بل هو خيرٌ لكم لكل امرىءٍ منهم ما اكتسب

من الاثم والذي تولى كبره منهم له عذاب عظيم
لولا اذ سمعتموه ظن المومنين والمومنات بانفسهم خيرا
قالوا هذا افك مبين۔ لولا جاؤا عليه باربعة شهداء
فاذا لم ياتوا بالشهداء فاولئك عند الله هم الكاذبون
ولولا فضل الله عليكم ورحمته في الدنيا والآخرة
لمسكم فيما افضتم فيه عذاب عظيم۔ اذ تلقونه بالسنتكم
وتقولون بافواهكم ما ليس لكم به علم وتحسبونه هينا
وهو عند الله عظيم۔ ولولا اذ سمعتموه قلتم ما يكون لنا
ان نتكلم بهذا۔ سبحنك هذا بهتان عظيم۔ يعظكم الله
ان تعودوا لمثله ابدا ان كنتم مومنين۔ ويبين الله لكم
الآيت والله عليم حكيم۔ ان الذين يحبون ان تشيع
الفاحشة في الذين آمنوا لهم عذاب اليم في الدنيا والآخرة
والله يعلم وانتم لا تعلمون۔ ولولا فضل الله عليكم
ورحمته وان الله رءوف رحيم۔ يايها الذين آمنوا
لا تتبعوا خطوات الشيطن ومن يتبع خطوات الشيطن
فانه يامر بالفحشاء والمنكر۔ ولولا فضل الله عليكم
ورحمته ما زكى منكم من احد ابدا ولكن الله يزكي
من يشاء والله سميع عليم۔ ولا ياتل اولو الفضل منكم
والسعة ان يوتوا اولي القربى والمسكين والمهاجرين
في سبيل الله وليعفوا وليصفحوا الا تحبون ان يغفر الله
لكم۔ والله غفور رحيم۔ ان الذين يرمون المحصنت

الغفلت المومنٰت لعنوا فی الدنیا والاٰخرۃ ولہم عذاب عظیم یوم تشہد علیہم السنتہم وایدیہم وارجلہم بما کانوا یعملون۔ یومئذ یوفیہم اللّٰہ دینہم الحق ویعلمون ان اللّٰہ ھوالحق المبین۔ الخبیثٰت للخبیثین والخبیثون للخبیثٰت، والطیبٰت للطیبین والطیبون للطیبٰت اولئک مبرؤن مما یقولون، لہم مغفرۃ ورزق کریم،

(مسلمانو) جن لوگوں نے (ام المومنین عائشہ کی نسبت) طوفان اُٹھا کھڑا کیا، تمہیں میں کا ایک گروہ ہے۔ اِس (طوفان) کو اپنے حق میں بُرا نہ سمجھو بلکہ یہ تمہارے حق میں بہتر ہوا (کہ سچے مسلمان اور منافق پہچان پڑے) طوفان اُٹھانے والوں میں سے جتنا گناہ جس نے سمیٹا (اُس کی سزا) بھگتے گا اور جس نے اُن میں سے طوفان کا بڑا حصہ لیا (ویسی ہی) اُس کو بڑی (سخت) سزا ہوگی۔ (مسلمانو) جب تم نے ایسی (نالایق) بات سُنی تھی تو ایمان والے مردوں اور ایمان والی عورتوں نے اپنے (مسلمان بھائی بہنوں کے) حق میں نیک گمان کیوں نہ کیا اور (سنتے ہی) کیوں نہ بول اُٹھے کہ یہ صریح بہتان ہے (جن لوگوں نے یہ طوفان برپا کیا) اپنے بیان (کے ثبوت) پر چار گواہ کیوں نہ لائے۔ پھر جب گواہ نہ لا سکے تو خدا کے نزدیک (بس) یہی جھوٹے ہیں۔ اور اگر تم (مسلمانوں) پر دنیا و آخرت میں خدا کا فضل و کرم نہ ہوتا تو (جیسا تم نے ایسی نالایق بات کا چرچا کیا تھا) اِس میں تم پر کوئی بڑی آفت

نازل ہو گئی ہوتی، کہ لگے تم اپنی زبانوں سے اُسے نقل در نقل کرنے
اور اپنے منہ سے ایسی بات بکنے جس کی تم کو مطلق خبر نہیں اور تم نے اُس کو
ایسی ہلکی بات سمجھا، حالانکہ وہ اللہ کے نزدیک بڑی (سخت) بات ہے
اور جب تم نے ایسی (نالائق) بات سُنی تھی تو (سنتے ہی) کیوں نہ بول
اُٹھے کہ ہم کو ایسی بات منہ سے نکالنا زیبا نہیں، حاشا وکلا یہ تو بڑا (بھاری)
بہتان ہے (مسلمانو) خدا تم کو نصیحت کرتا ہے کہ اگر ایمان رکھتے ہو تو
پھر کبھی ایسا نہ کرنا۔ اور اللہ اپنے احکام تم سے (کھول کھول کر) بیان
کرتا ہے اور اللہ سب کے حال سے واقف اور حکمت والا ہے۔
جو لوگ چاہتے ہیں کہ مسلمانوں میں بُری باتوں کا چرچا ہو اُن کیلئے
دنیا میں عذاب دردناک ہے اور آخرت میں بھی اور ایسے لوگوں کو
اللہ ہی جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔ اور (مسلمانو) اگر یہ بات نہ
ہوتی کہ تم پر اللہ کا فضل اور اُس کا کرم ہے اور (نیز) یہ کہ اللہ بڑا
شفقت والا مہربان ہے (تو تم میں فسادِ عظیم برپا ہو گیا ہوتا) مسلمانو
شیطان کے قدم بہ قدم نہ چلو اور جو شیطان کے قدم بہ قدم چلے گا تو
شیطان (اُس کو) بے حیائی اور بُرے ہی کام کرنے کو کہے گا اور اگر تم
پر اللہ کا فضل اور اُس کا کرم نہ ہوتا تو تم میں سے کوئی کبھی بھی پاک و
صاف نہ ہوتا، لیکن اللہ جس کو چاہتا ہے پاک وصاف کرتا ہے
اور اللہ سب کی سنتا اور سب کچھ جانتا ہے۔ اور تم میں سے جو لوگ
بزرگ منش اور صاحب مقدور ہیں، قرابت والوں، محتاجوں اور
اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے والوں کو (مددِ خرچ) نہ دینے کی قسم نہ
کھا بیٹھیں، بلکہ (چاہئیے کہ اُن کے قصور) بخش دیں اور درگزر کریں

(مسلمانو) کیا تم نہیں چاہتے کہ اللہ تمہارا قصور معاف کرے اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ جو لوگ پاک دامن عورتوں پر (زنا کی) تہمت لگاتے ہیں جو (بیچاریاں ایسی باتوں سے بالکل) بیخبر ہیں (اور ایمان رکھتے ہیں (ایسے لوگ) دنیا و آخرت دونوں جگہ ملعون ہیں اور قیامت کے دن اُن پر بڑا سخت عذاب ہوگا، جب اِن کے مقابلہ میں ان کی زبانیں اور اُن کے ہاتھ پاؤں اِن کے اعمال کی گواہی دیں گے اور اللہ اُس دن انہیں پورا بدلہ دے گا اور جان لیں گے کہ اللہ ہی سچا (اور سچ کو سچ کر) دکھانے والا ہے، گندی عورتیں گندے مردوں کے لئے ہوتی ہیں اور گندے مرد گندی عورتوں کے لئے، اور پاک عورتیں پاک مردوں کے لئے ہوتی ہیں اور پاک مرد پاک عورتوں کے لئے۔ بہتان باندھنے والے جو بکتے پھرتے ہیں یہ اُن کی تہمتوں سے بالکل بری ہیں۔ اِن کے لئے آخرت میں بخشش ہے اور عزت کی روزی"۔

ہر چند واقعۂ اِفک کے متعلق صرف دس آیتیں نازل ہوئی تھیں، یعنی ان اللہ رؤف رحیم تک، لیکن ہم نے اُس کے متعلق جس قدر آیتیں تھیں سب درج کردی ہیں تاکہ آئندہ تسلسل واقعات میں پوری مدد ملے۔ مثلاً یہ واقعہ کہ جب آیاتِ اِفک نازل ہوئیں اور طعن کرنے والوں پر حد قذف ماری گئی تو حضرت ابو بکر صدیقؓ نے عہد کیا کہ میں مسطح کو (جو بدنام کرنے والے لوگوں میں تھا) نفقہ نہیں دوں گا (مسطح حضرت ابو بکرؓ کے بھانجے تھے اور بہت مفلس تھے، حضرت ابو بکرؓ اِن کے مصارف خود برداشت

کرتے تھے) لیکن اس عہد پر حضرت ابو بکرؓ کو اللہ کی طرف سے تنبیہ ہوئی اور یہ آیت نازل ہوئی کہ:-

لا یاتل اولوالفضل منکم والسعۃ ان یوتوا اولی القربےٰ والمساکین والمہاجرین فی سبیل اللہ ولیعفوا ولیصفحوا الا تحبون ان یغفر اللہ لکم واللہ غفور رحیم۔ یہ آیت پہلے درج ہو چکی ہے اور اس کا ترجمہ بھی ہو چکا ہے۔

یہ تھے واقعات اِفک کے اور یہ تھیں وہ آیات جو برارتِ حضرت عائشہؓ میں اللہ کی طرف سے نازل ہوئیں، لیکن اب غور طلب امر یہ ہے کہ اس واقعہ پر مخالفین نے کیا اعتراض کیا ہے اور اس کی حقیقت کیا ہے۔ اور علاوہ اِس کے ہمارے لئے اس میں کیا تعلیم پنہاں ہے اور جب اللہ کو برارت مقصود تھی تو اس قدر انتظار کیوں کیا گیا، اور رسول اللہ صلعم نے کیوں افواہ کا اعتبار کر کے حضرت عائشہؓ کی طرف سے بُرا خیال قایم کر لیا، اور اس افواہ و بہتان کی اصل علت کیا تھی جو اس کی باعث ہوئی، اس واقعہ پر زیادہ تر اعتراضات عیسائی مورخین نے کئے ہیں اور وہ اس لب و لہجہ میں کہ حضرت عائشہؓ کی طرف سے رسول اللہ صلعم کو بہت صدمہ پہنچا اور ان کی طرف سے بدگمانی کرنے کا موقعہ ملا۔ یعنی اُن کے نزدیک واقعی حضرت عائشہؓ سے لغزش ہوئی اور چونکہ وہ کلام اللہ کو نہیں مانتے اس لئے اُن کی برارت کے متعلق نزولِ آیات معترضین پر کچھ اثر نہیں ڈالتا۔ اس لئے ہمارا فرض ہے کہ نزول آیات کی دلیل سے علٰحدہ ہو کر ایک

شخص ثالث کی حیثیت سے اس پر نگاہ ڈالیں اور پھر غور کریں کہ
کیا واقعی اُس کی کچھ حقیقت تھی اور کیا فی الواقع حضرت عائشہ رضؓ کی طرف
سے کوئی غلطی ہوئی، جس سے بدگمانی پیدا ہو سکے +

(۱) سب سے پہلے جب کسی قسم کا الزام لگایا جاتا ہے تو انصاف
کرنے والوں کا یہ فرض ہوتا ہے کہ وہ اُس شخص کی حالت پر غور کریں
جس پر الزام لگایا گیا ہے اور اُس کی لائف پر نگاہ ڈال کے دیکھیں کہ
آیا اُس پر یہ الزام لگانا قرین قیاس بھی ہے، یا نہیں، اس لئے
اس اصول کی بنا پر جب ہم حضرت عائشہ رضؓ کی لائف پر غور کرتے
ہیں تو ہمیں سخت حیرت ہوتی ہے کہ اب جبکہ حضرت عائشہ رضؓ نہیں
ہیں اور اُن کے واقعاتِ زندگی تماماً ہمارے سامنے موجود ہیں
کیونکر مورخین اس بات کی جرأت کر سکتے ہیں کہ اُن پر اس الزام کا
لگایا جانا ایک لحہ کے لئے بھی صحیح سمجھیں۔ جس وقت یہ الزام لگایا گیا
تھا اُس وقت تو خیر ایک مختصر سا حصہ حضرت عائشہ رضؓ کی زندگی کا
گزرا تھا، لیکن جن لوگوں کو یہ موقعہ ملا کہ وہ حضرت عائشہ رضؓ کے
وصال کے بعد واقعات پر روشنی ڈالیں اُن کو کیونکر ایسی جسارت
ہوئی۔ کیونکہ حضرت عائشہ رضؓ کی زندگی کا بہت بڑا حصہ جو اس
واقعۂ اِفک کے بعد گزرا وہ بھی ایسا ہی صاف و پاک تھا جیسا
قبل واقعہ اِفک کا، پھر ایک ایسی ذات کی نسبت جس نے اپنی
تمام عمر ایسی پاکیزگی و طہارت سے بسر کر دی ہو کیونکر اب شبہہ
ہو سکتا ہے کہ واقعۂ اِفک صحیح ہے۔ اگر واقعی حضرت عائشہ رضؓ سے
ایسا ہونا ممکن تھا تو کوئی وجہ نہیں تھی کہ رسول اللہ صلعم کی وفات کے بعد

سے ہے کہ اُس وقت تک کہ وہ زندہ رہیں کوئی نہ کوئی بات ایسی
نہ ہوتی جس سے اُن کا میلانِ طبع اس خاص فعل کی طرف نہ پایا
جاتا۔ غزوۂ مصطلق جب ہوا ہے حضرت عائشہؓ کی عمر صرف
۱۴ سال کی تھی۔ اس کے چار برس بعد جب رسول اللہ صلعم کا وصال
ہوا آپ کی عمر ۱۸ سال کی تھی۔ اس کے بعد آپ اڑتالیس برس
تک زندہ رہیں یعنی ایک نصف صدی کے قریب آپ نے زمانۂ
بیوگی میں بسر کر دیا۔ پھر اس مدتِ مدید میں کسی مخالف کو بھی اس
کی جرأت نہیں ہوئی کہ آپ کے چال چلن یا طریقۂ معاشرت کی
نسبت کسی قسم کی نکتہ چینی کر سکے۔ یہاں تک کہ مخالفوں کے فنِ سیر
و تاریخ میں بھی کوئی موضوع سی موضوع حدیث و روایت ایسی
نہیں مِل سکتی جو حضرت عائشہؓ کے کیرکٹر کو داغدار ثابت کرنے
والی ہو حالانکہ آپ کے دشمنوں کی تعداد بھی کثیر تھی اور ہے
اس سے یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ جس شخص
کی زندگی اور ایسی طویل زندگی جس میں شباب کا بھی بڑا حصہ
شامل ہو ایسی طرح پاک صاف بسر ہو جائے کہ دشمنوں کو بھی نکتہ چینی
کا موقعہ نہ ملے، وہ ہرگز ایسے فعل کا مرتکب نہیں ہو سکتا اور
کوئی دانشمند باور نہیں کر سکتا کہ اُس پر اس نوع کا الزام
کبھی درست ہو سکتا ہے ÷

(۲) اب یہ دیکھنا چاہیئے کہ ایسی خبر بد آپ کی نسبت
کیوں مشہور کی گئی جب اُس کی کوئی حقیقت نہ تھی۔ یہ بھی بہ ادنے
تامل ہو سکتا ہے۔ اس پر غور کرنا چاہیئے کہ ۲ افواہ کے اُڑانے والے

کون تھے۔ اُن میں سے ایک عبداللہ تھا۔ دوسرا حسان بن ثابت تیسرا مسطح۔ یہ تین مرد تھے اور چوتھی ایک عورت تھی حمنہ بنت جحش اب ان لوگوں کے حالات سنئے کہ عبداللہ قدیم متوطن مدینہ کا تھا اور وہ اس غرض میں دیوانہ ہو رہا تھا کہ کسی نہ کسی طرح مدینہ کی سرداری ملجائے مگر رسول اللہ صلعم کی وجہ سے اُس کی دال کسی طرح نہ گلتی تھی اور وہ دل ہی دل میں پیچ و تاب کھایا کرتا تھا۔ وہ رسول اللہ صلعم کی سرداری کو دیکھ نہ سکتا تھا اور ہر وقت اسی فکر میں رہتا تھا کہ رسول اللہ صلعم کو کسی نہ کسی طرح اذیت پہنچائی جاوے۔ اتفاق غزوہ مصطلق میں وہ بھی ہمراہ تھا اور جب حضرت عائشہؓ بعد کو صفوان کے ساتھ سب سے اخیر میں تشریف لائیں تو اس کو ایک موقعہ ہاتھ آیا کہ اس طرح حضرت عائشہؓ کو بدنام کر کے رسول اللہ صلعم کو تکلیف دیجائے۔ جس کا نتیجہ اُس نے سوچ لیا تھا کہ اگر رسول اللہ صلعم نے یقین کر کے کوئی عملی کاروائی کی تو حضرت عائشہؓ کو طلاق دے دینگے اور ممکن ہے یہ بات ابوبکر صدیقؓ و رسول اللہ صلعم کے مابین منافرت و نفاق کا باعث ہو جائے، اور اگر ایسا نہ کیا تو کم از کم حضرت عائشہؓ کو صدمہ پہنچیگا، جس کا اثر نہ صرف رسول اللہ صلعم پر بلکہ حضرت ابوبکرؓ پر بھی ہوگا، بہرحال اُس کے لئے یہ بہت موزوں موقعہ تھا کہ کچھ نہ کچھ مفید بات اُس کے حق میں ہو ہی رہیگی اور اُس نے اس موقعہ سے کام لے کر اچھی طرح مختلف طریقوں سے حضرت عائشہؓ کو بدنام کیا۔ عبداللہ کے لئے تو یہ اسباب تھے جنہوں نے اُسے مجبور کر دیا۔ اب حسان بن ثابت کو دیکھئے، یہ بھی مدینہ ہی کے رہنے

والے تھے اور عبداللہ کے ہم جلیس اور یار تھے، یہ شاعر مزاج آدمی تھے اور مذاقِ تحقیق اِن کی طبیعت میں بالکل نہ تھا۔ یہ شعر کہتے تھے اور شعر بھی وہ جن میں ہجو و ذم کا پہلو زیادہ ہو، اس واسطے اِن کے لئے یہ واقعہ اور طبع آزمائی کے لئے اچھا میدان تھا۔ عبداللہ فطرتاً بہت چالاک اور مکار شخص تھا، وہ حسان کے رگ و ریشہ سے واقف تھا اور سمجھتا تھا کہ کس شخص کو کس طرح قابو میں لانا چاہیئے۔ وہ حسان کے اشعار کی تعریف کیا کرتا تھا اور یہ شاعر آدمی بس اس میں مست تھے کہ اُن کے اشعار کی تعریف ہو رہی ہے اور رات دن عبداللہ کی ہاں میں ہاں ملایا کرتے تھے۔ ورنہ عبداللہ خود جانتا تھا کہ حسان کسی مصرف کا آدمی نہیں، واقعۂ اِفک کے بعد ایک دفعہ جب صفوان نے عبد صفو حسان کو تلوار ماری تو یہ شعر پڑھا کہ ؎

تلق ذباب السیف عنی فاننی　　غلامٌ اذا ھوجیت لست بشاعرٍ

(یعنی ذرا میری تلوار کی دھار کے سامنے تو آؤ ہم نوجوان ہیں شاعر نہیں کہ اپنی ہجو کا جواب شاعرانہ انداز سے دیں) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حسان نے باوصف پیرانہ سالی و کبر سنی صفوان ایسے کم سن نوجوان کی ہجو کی تھی جس کا جواب اُسے تلوار سے دیا گیا ظاہر ہے کہ ایک بوڑھا آدمی جب لڑکے کی ہجو لکھے گا تو وہ کس طبیعت کا ہو گا۔ غرضکہ اِن میں مذاقِ تحقیق بالکل نہ تھا اور وہ نہیں سمجھتے تھے کہ وہ اس واقعۂ اِفک کے مشہور کرنے یا ذکر کرنے سے کیا نتائج پیدا ہوں گے اور اس کا ثبوت خود انہیں کے اشعار سے ہوتا ہے کہ جب آیاتِ اِفک کے نزول کے بعد ان سے

دریافت کیا گیا تو اُنہوں نے اپنی غلطی کا اعتراف کیا اور پھر بعد کو ایک طویل قصیدہ لکھا جس میں کھُلے الفاظ سے ظاہر کیا کہ:۔

فان کنت قد قلت الذی زعمواکم فلا رفعت سوتی الیّ اناملی

(اگر میں لوگوں کے افواہ میں شریک ہو کر ویسا ہی کہنے لگا، تو اُس پر مجھے سخت ندامت ہوئی یہانتک کہ میں نے کوڑے کھانا خوشی سے قبول کرلیا،

وان الذی قد قیل لیس بلائق بك الدھر بل قیل امرئی متماحل

اس میں ذرا شک وشبہ کی گنجائش نہیں جو بات آپ کی نسبت کہی گئی وہ آپ کے شان سے بہت بعید تھی، اور وہ قصہ ایک سخت طوفان تھا۔ حسّان کی نسبت بھی معلوم ہوگیا کہ وہ کیوں عبد اللہ کے ساتھ اس میں شریک ہو گئے تھے۔ اب رہیں حمنہ بنت جحش اور مسطح، سو حمنہ بنت جحش حضرت زینب ام المومنین کی بہن تھیں۔ اور حضرت زینب چونکہ رسول اللہ صلعم کی پھوپھی کی بیٹی تھیں اس طرح کہ حضرت زینب اُمیمہ بنت عبد المطلب کی بیٹی تھیں اور رسول اللہ صلعم عبد اللہ بن عبد المطلب کے بیٹے تھے اس لئے وہ سمجھتی تھیں کہ مجھے تمام دیگر ازواج سے ایک درجۂ امتیاز حاصل ہے اور مجھی کو ممتاز ہونا چاہیئے۔ چونکہ حضرت عائشہ رضؓ سے رسول اللہ صلعم کو بہت اُنس تھا اس لئے حضرت عائشہ رضؓ و حضرات زینب میں باہم رقابت تھی۔ لیکن باوصف اس رقابت و شکر رنجی کے، جب رسول اللہ صلعم نے اس باب میں حضرت زینب سے پوچھا تو آپ نے جواب دیا کہ واللہ ما علمت الا خیرا، یعنی

قسم خدا کی عائشہ رض کی نسبت تو مجھے جو کچھ معلوم ہوا ہے وہ اچھا ہی ہے - بُری بات کبھی کوئی نہیں سُنی - لیکن حمنہ چونکہ اپنی بہن کی طرفدار تھیں اور اس جوش طرفداری میں حضرت زینب سے زیادہ اُن کی خیر خواہ بنی ہوئی تھیں اس واقعہ کے مشتہر کرنے والوں میں شریک ہو گئیں اور صرف اس مدعا سے کہ شاید اس طرح رسول اللہ صلعم حضرت عائشہ رض سے متنفر ہو جائیں اور پھر میری بہن حضرت زینب کی قدر زیادہ ہونے لگی - مسطح بھی چونکہ مطلبی اور حمنہ کے قریبی رشتہ دار تھے اس لئے وہ بھی حمنہ کی طرف ہو کر اس خبر کے مشہور کرنے میں دلچسپی لینے لگے - اب دیکھنا چاہئے کہ کیا اِن لوگوں کے لئے یہ کافی وجہ نہ تھی کہ اُنہیں کوئی موقعہ ملتا اور وہ حضرت عائشہ رض کو بدنام کرتے - یقینی کافی وجہ تھی اور اس لئے انہوں نے اس موقعہ سے کام لیا چونکہ مشتہرین میں سے سب لوگ کسی نہ کسی اعتبار سے یہ غرض مشترک رکھتے تھے اس لئے اگر انہوں نے ملکر اس واقعہ کو شہرت دیدی تو کوئی جائے حیرت و استعجاب نہیں اچھا اب نفس واقعات سے بحث کیجئے کہ کیا تھے - ممکن ہے ایک معترض یہ کہے کہ اگر ہار حضرت عائشہ رض کے گلے سے کھلکر گر پڑا تھا تو وہ خود کیوں تشریف لے گئیں کیوں نہ کسی قافلہ والے سے کہدیا کہ وہ جا کر ڈھونڈ لاتا - یہ بیشک اُن لوگوں کے لئے معقول بات ہو سکتی ہے جنہوں نے فطرتِ انسانی کا مطالعہ اچھی طرح نہیں کیا ورنہ وہ لوگ جن کو ایشیا کی شریف عورتوں کی عادات سے وقوف ہے وہ ہرگز اس اعتراض یا شبہ کو وقعت نہیں دیسکتے

یہ معلوم ہے کہ اُس وقت حضرت عائشہ رضؓ کی عمر صرف چودہ سال کی تھی، پھر اب خیال فرمائیے کہ ایک چودہ سال کی کم سن لڑکی کا زیور کھو جانا، اور وہ بھی اپنا زیور نہیں ہے دوسرے کا، کس قدر اضطراب پیدا کر دینے والا ہے، یقیناً حضرت عائشہ رضؓ کو فطری طور سے گھبراہٹ پیدا ہوئی ہوگی اور چونکہ یہ یقین تھا کہ وہیں کہیں راستہ میں گر پڑا ہوگا آپ کا اُسی طرح اُلٹے پاؤں واپس جانا بھی بالکل اقتضائے فطرت تھا جس سے کوئی شخص انکار نہیں کر سکتا اگر اُس کو کبھی اس قسم کا واقعہ پیش آیا ہے اور پھر قضائے حاجت کے مقام تک جانا کہ ایک عورت کے لئے کسی مرد کو وہاں تک بھیجنا خود اُس کے لئے باعث حجاب ہو، غرضکہ حضرت عائشہ رضؓ کا عالم اضطراب میں خود ہار کی تلاش میں چلا جانا بالکل فطری امر تھا اور کوئی دانشمند اس کے خلاف شبہہ عائد نہیں کر سکتا۔

(۳) وہ لوگ جو حضرت عائشہ رضؓ کے کیرکٹر پر شبہہ کرتے ہیں اُن کو اس پر بھی غور کرنا چاہئے کہ بریرہ اُن کی کنیز کی شہادت و صفائی کس قدر وزنی ہے۔ ہم پہلے واقعات اِفک کے سلسلہ میں بیان کر چکے ہیں کہ پہلے حضرت علی رضؓ نے اور پھر بعد کو رسول اللہ صلعم نے کس انداز سے اس معاملہ کی تحقیق بریرہ سے کی۔ حضرت علی رضؓ نے ہر طرح کوشش کی یہانتک کہ بعض روایات کی رُو سے اُسے مارا بھی لیکن بریرہ نے سوائے اس کے کچھ نہیں کہا کہ حضرت عائشہ رضؓ بالکل پاک وصاف ہیں، لیکن سب سے زیادہ قوی تفتیش و تحقیق رسول اللہ کی تھی۔ اس سے تو انکار ہو ہی نہیں سکتا کہ بریرہ مسلمان تھی اور

مسلمان بھی کیسی جو ہر وقت رسول اللہ صلعم کے پیش نظر رہتی تھی اور اُن کی تعلیمِ اخلاق و روحانیت سے متاثر ہونے کا بہت موقعہ رکھتی۔ جس وقت رسول اللہ صلعم نے اُس کو طلب کیا تو سب سے پہلے اُس سے یہ پوچھا کہ "تو مجھے اللہ کا رسول یقین کرتی ہے یا نہیں"۔ اُس نے اثبات میں جواب دیا۔ پھر اس کے بعد رسول اللہ صلعم نے اُس سے شہادت لی۔ ظاہر ہے کہ ایک مسلمان کے لئے اس سے زیادہ قوی قسم کوئی نہیں ہو سکتی کہ ایک خدا کا رسول اُس سے پہلے اپنی رسالت کی شہادت لیکے پھر واقعات کو دریافت کرے۔ اب بھی جبکہ رسول اللہ صلعم کو گزرے ہوئے ۱۳۰۰ سال سے زیادہ گزر چکے ہیں، کوئی شخص جس میں شائبۂ ایمان ہے رسول اللہ صلعم کی جھوٹی قسم کھا کر کبھی کسی واقعہ کا اظہار نہیں کر سکتا، چہ جائیکہ کہ رسول اللہ صلعم خود سامنے موجود ہوں اور اس قدر اہتمام سے دریافت کے درپے ہوں اور پھر پوچھنا بھی ایک عورت سے جو فطرتاً نرم طبیعت رکھتی ہے اور ہر چیز سے جلد متاثر ہو جاتی ہے، غرضکہ کوئی سنجیدہ و ذی فہم شخص ایک لمحہ کے لئے بھی یہ خیال اپنے دل میں نہیں لا سکتا کہ رسول اللہ صلعم کے پوچھنے کے بعد بریرہؓ نے غلط شہادت دی ہو گی۔ اُس نے یقیناً وہی بیان کیا جو اُس کے علم و یقین میں تھا اور وہ سچ سچ بیان کرنے پر، اپنی فطرت، اپنی اعتقادی حیثیت سے بالکل مجبور تھی اور مجبور بھی اس قدر کہ اگر وہ حقیقت و صداقت سے انحراف کرنے کی کوشش کرتی تو ہرگز اُس میں کامیاب نہیں ہو سکتی تھی

لیکن یہاں ایک اور سوال اور پیدا ہو سکتا ہے اور وہ یہ کہ بریرہ کے عدمِ علم سے نفس واقعہ پر کوئی اثر نہیں پڑ سکتا یعنی یہ بالکل ممکن ہے کہ بریرہ کو حضرت عائشہؓ کے حالات سے پوری آگاہی نہ ہو علے الخصوص امرِ عشق واقعۂ اِفک سے۔ مگر اس طرح بھی معترض کا اعتراض کچھ وقیع نہیں ہو سکتا، کیونکہ وہ لوگ جنھوں نے فطرتِ انسانی علے الخصوص فطرتِ نسوانی کا مطالعہ کیا ہے وہ اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں کہ جب کسی عورت اور جوان عورت کو عشق یا محبت کا آزار ہو جاتا ہے تو وہ قطعاً اُسے اُن لوگوں سے نہیں چھپا سکتی جو اُن کے ہمراز ہو سکتے ہیں۔ وہ فطرتاً اس بات پر مجبور ہے کہ کوئی ہمدم تلاش کرے، کوئی انیس، کوئی تسلی دینے والا ڈھونڈھے تاکہ اپنے راز کو اُس سے کہدے اور اس طرح اُس تکلیف و مصیبت میں ایک ایسا حیلہ یا بہانہ تلاش کرے، جو اُس کے لئے باعث سکون ہو، چنانچہ اس وقت تک کوئی مثال ایسی نہیں ہوئی جس سے ہم کو یہ معلوم ہو کہ کسی عورت نے اپنے راز محبت کو مکمل طور سے اس طرح چھپا لیا ہو کہ اُس کی خاص کنیز، یا ہمسن سہیلی کو بھی نہ معلوم ہوا ہو۔ بریرہ حضرت عائشہؓ کی نہایت اطاعت شمار اور معتمد علیہ کنیز تھی اور اس لئے ممکن نہیں کہ بریرہ کو خبر نہ ہوتی اگر حضرت عائشہؓ کو خدانخواستہ یہ روگ لگ جاتا۔ اور پھر اُس وقت حضرت عائشہؓ کی عمر ہی کیا تھی، صرف ۱۴ سال کی اور ظاہر ہے کہ اِس عمر میں کوئی لڑکی محبت کر کے ایسی دانشمند نہیں بن سکتی کہ وہ کسی طرح اپنے راز کو خاص اپنی کنیز سے بھی چھپا سکے اور کنیز بھی

وہ جو ہر وقت ساتھ رہتی ہو کسی وقت جدا نہ ہوتی ہو۔ الغرض اگر اس واقعہ میں کچھ بھی صحت ہوتی تو بریرہ کا معلوم کرنا ضروری تھا اور اگر بریرہ کو معلوم ہوتا تو رسول اللہ صلعم کے سامنے اُس کا صاف صاف بیان کر دینا بھی ناگریز تھا۔ چونکہ حضرت علی کرم اللہ وجہٗ بہت بڑے حکیم تھے اور وہ فطرتِ انسانی کا بہت غایر مطالعہ کرنے والے لوگوں میں سے تھے اسی لئے اُنہوں نے رسول اللہ صلعم کو یہ مشورہ دیا تھا کہ وہ اس معاملہ میں بریرہ سے دریافت کریں۔ کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ اگر ایسا ہوگا تو بریرہ کو ضرور معلوم ہوگا۔

(۴) سب سے زیادہ قوی دلیل اس واقعہ کے لغو ہونے کی یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضؓ، صفوان۔ مسطح، حسان اور حمنہ اخیر وقت تک مسلمان رہے اور محمد صلعم کو نبیٔ برحق تسلیم کرتے رہے۔ اگر یہ واقعہ صحیح ہوتا تو حضرت عائشہ رضؓ اور صفوان کو تو بہرحال معلوم ہی ہوتا، کیونکہ یہی دونوں متہم کئے گئے تھے۔ اس لئے بصورتِ صحت و نزول وحی کو کیا سمجھتے، ظاہر ہے کہ حضرت عائشہ رضؓ اور صفوان تو اسلام سے ضرور ہی منحرف ہو جاتے اور سمجھتے کہ یا تو وحی غلط نازل ہوئی یا یہ کہ رسول اللہ صلعم پر وحی وغیرہ کچھ نازل نہیں ہوتی بلکہ خود ہی جو چاہتے ہیں کہدیتے ہیں، اور اسی طرح اگر متہمین کو بھی یقین اس واقعہ کا ہوتا تو وہ بھی اسی بنا پر رسول صلعم اور اسلام سے پھر جاتے کہ جو خدا ایسی غلط وحی نازل کرتا ہے یا جو رسول صلعم ایسی یقینی بات کو غلط سمجھتا ہے اُس کی پیروی ہی کیا مگر نہیں ایسا نہ ہوا، سب کے سب اخیر وقت تک اسلام کے

پیرو اور مذہب اسلام کے جان نثار فرزند ثابت ہوئے اور یہ قوی دلیل اس بات کی ہے کہ حضرت عائشہ رضؓ پر بالکل بہتان تھا اس کے علاوہ متہمین کا کوئی ثبوت پیش نہ کرنا، بلکہ اپنے جرم کا اقرار کر لینا اور صفوان کا ٹھیک دوپہر کو بغیر کسی پس و پیش کے بیدھڑک قافلہ میں لے آنا یہ سب قراین قویہ ہیں اس واقعہ کے لغویت کے +

(۵) اگر ہم تھوڑی دیر کے لئے اس واقعہ کو صحیح سمجھ لیں اور نزولِ آیاتِ اِفک کو منجانب اللہ تصور نہ کریں تو یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ رسول اللہ صلعم نے خود اپنی طرف سے یہ آیات گھڑ کے بیان کیں۔ اب غور فرمائیے کہ کیا رسول اللہ صلعم ایسا کرتے تھے؟ ہرگز نہیں۔ وہ شخص جس نے اپنی زندگی کا بڑا حصہ اس وعظ و تلقین میں صرف کر دیا ہو کہ "میں اللہ کا سچا رسولؐ ہوں" اور اُس کے ماننے والے بھی کثرت سے پیدا ہو گئے ہوں کیا وہ اتنی سی بات کے لئے اپنی ساری عمر کی محنت کو رایگاں و برباد کر سکتا ہے، کیا وہ اس قدر نہیں سمجھ سکتا تھا کہ اگر یہ واقعہ صحیح ہوا تو میری ان جھوٹی آیات کا کم از کم اُن لوگوں پر کیا اثر پڑیگا جن کو واقعہ کی صحت کا پورا پورا یقین ہے، کیا رسول اللہ صلعم کی سمجھ میں یہ معمولی بات نہ آسکتی تھی کہ عائشہ رضؓ و صفوان اپنے دلوں میں میری طرف سے کیا خیال قائم کریں گے اور مجھے کیونکر سچا رسولؐ تصور کریں گے جب وہ ان غلط آیات کو سُنیں گے۔ معترضین اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ "محمدؐ میں اعلےٰ درجہ کی عقلمندی تھی اور ضبطِ نفس،

غور و تدبر اور استحکامِ ارادہ میں وہ اپنا نظیر نہیں رکھتے"۔ لیکن کیا یہ حیرت کی بات نہیں کہ جس کو وہ اس قدر دانشمند کہیں جسکو اس درجہ کا ضابطہ اور قوی الارادہ تسلیم کریں، اُسی کی نسبت کسی ایسی بات کا شبہ کریں جو حد درجہ کی حماقت اور سخت کمزوری ارادہ کو ظاہر کرنیوالی ہو (نعوذ باللہ) اگر رسول اللہؐ صلعم اس قدر دانشمند تھے، جیسا کہ معترضین کہتے ہیں (اور واقعی وہ تھے) اگر اُن میں مادۂ ضبط اس درجہ تک تھا جس درجہ تک مخالفین سمجھتے ہیں (اور یقین تھا) تو یہ بھی ناقابلِ انکار حقیقت، غیر متزلزل صداقت ہے کہ آیاتِ اِفک کا نزول منجانب اللہ ہوا اور حضرت عائشہؓ اس معاملہ میں بالکل صاف و پاک تھیں ؛

یہانتک تو بیان ہوا اصل واقعۂ اِفک کی نسبت اور معترضین کے اعتراضات کے متعلق۔ اب ہم کو یہ دیکھنا چاہیئے کہ رسول اللہؐ صلعم کا طرزِ عمل اس واقعہ کے سننے کے بعد کیا تھا اور واقعی کیا ہونا چاہیئے تھا۔ احادیث سے یہ امر بخوبی ثابت ہے کہ اس واقعہ کی خبر سننے کے بعد رسول اللہؐ صلعم کے طرزِ عمل میں حضرت عائشہؓ کے ساتھ نمایاں فرق آگیا، چنانچہ حضرت عائشہؓ خود فرماتی ہیں کہ جو لطف و مہربانی پہلے کیا کرتے تھے اب نہیں کرتے تھے، مگر سوال یہ ہے کہ رسول اللہؐ صلعم نے کیوں افواہ کو صحیح سمجھا اور کیوں بلا تحقیق اظہار برہمی کیا۔ اس کے متعلق ہم یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ رسول اللہؐ صلعم کا یہ فعل بالکل اقتضاء فطرت کی بنا پر تھا اور وہ اس پر مجبور تھے، اگر کسی دوسرے شخص کا معاملہ

ہوتا تو وہ یقیناً اُس کو بھی مشورہ دیتے کہ بلا تحقیق ایسی بات کو یقین نہ کرنا چاہیئے، مگر چونکہ اس معاملہ کا تعلق براہ راست خود حضور سے تھا اس لئے اُن کا دلگیر ہونا بالکل فطری امر تھا۔ علاوہ اس کے یوں بھی دیکھیے کہ رسول اللہ صلعم کو حضرت عائشہ رضؓ کے ساتھ کس قدر محبت و الفت تھی اور یہ ہمارا روز کا تجربہ ہے کہ جس سے جتنی زیادہ اُلفت ہوتی ہے اتنی ہی جلد اُس سے بدگمانی ہو جاتی ہے فرط محبت کا یہ اقتضا ہے کہ ذرا سی بات میں آدمی شکایت کرنے لگے اور فوراً اُس بات کا یقین کرے جو محبت کے منافی ہے، چنانچہ اس کا تجربہ یوں کیجئے کہ جب کوئی بہت قریب کا عزیز یا گہرا دوست بیمار پڑ جاتا ہے تو ہمیشہ اُس کے متعلق بُرے ہی بُرے خیالات و احتمالات پیدا ہوتے ہیں، حالانکہ اُس سے زیادہ سخت بیماری میں ایک دوسرا شخص مبتلا ہوتا ہے جس سے ویسا تعلق نہیں، مگر کبھی اُس کی نسبت یہ وسوسہ پیدا نہیں ہوتا کہ وہ مر جائیگا۔ چونکہ رسول اللہ صلعم کو حضرت عائشہ رضؓ کے ساتھ غیر معمولی اُلفت تھی اس لئے اُن کی نسبت آپ کو ایسی بات سُن کر ملال ہونا ضروری تھا اور سوائے ملال عارضی کے وہ اور کچھ نہ تھا۔ ممکن تھا کہ رسول اللہ صلعم حضرت عائشہ رضؓ سے قطع تعلق کر لیتے (جو مقتضائے احتیاط تھا) لیکن آپ نے ایسا نہیں کیا اور یہیں سے پتہ چلتا ہے کہ رسول اللہ صلعم پریشانی و ملالی کی حالت میں بھی کیسے زیرک، کیسے مدبر اور کیسے حکیم تھے، اگر رسول اللہ صلعم حضرت عائشہ رضؓ کو طلاق دیدیتے تو کوئی زبان پکڑنے

والا نہ تھا وہ ایسا کر سکتے تھے، مگر آپ نے محض اس خیال سے کہ کہیں میرا یہ فعل مسلمانوں کے لئے نظیر نہ ہو جائے، نہایت حلم وبرداشت سے کام لیا اور یہی جستجو رہی کہ کسی طرح انکشافِ حقیقت ہو جائے۔ چونکہ رسول اللہ صلعم کا ہر فعل قانون تھا اس لئے آپ کوئی بات ایسی نہ کر سکتے تھے جو خلافِ انصاف ہو اور حضرت عائشہ رض کو محض اس افواہ کی بنار پر طلاق دیدینا یقینی خلافِ انصاف ثابت ہوتا، بہرحال رسول اللہ صلعم کا اس واقعہ سے دلگیر ومتاثر ہونا بھی بجا تھا کہ وہ اقتضار فطرت اور اُس کی تحقیق کرنا بھی بالکل درست ومناسب تھا کہ انصاف وعدل ہی کے قیام کے لئے آپ دنیا میں تشریف لائے تھے اور یہ ممکن نہ تھا کہ آپ احتیاط کا پہلو مدنظر رکھکر حضرت عائشہ رض سے علیحدہ ہو جاتے اور اس طرح ہمیشہ ہمیشہ کے لئے مسلمانوں میں فتنہ وفساد اور بے اطمینانی کی نظیر قائم کر جاتے جو کبھی نہ مٹتی۔ اب ہمیں اس واقعہ کے متعلق مختصر الفاظ میں صرف یہ ظاہر کرنا ہے کہ نزول وحی میں کیوں اس قدر تاخیر ہوئی اور اس واقعہ میں کیا تعلیم پنہاں تھی۔ سب سے پہلے یہ دیکھنا چاہیئے کہ اس واقعہ سے اللہ کو کیا منظور تھا اور رسول اللہ صلعم کے لئے اُس میں کیا ہدایت وتعلیم تھی۔ چونکہ رسول اللہ صلعم کو حضرت عائشہ رض کے ساتھ بہت اُنس تھا اس لئے اس واقعہ سے انہیں تو یہ بتایا کہ دنیا کی کوئی محبت ایسی نہیں ہے جو وجہ بلاوجہ قائم رہنے والی ہو اور اس لئے وہ محبت جو اپنے لئے کسی سبب کو چاہے ہیچ ہے اور اصل تعلق وہی ہے جو بندہ کو خدا کے ساتھ ہوتا ہے، ہرچند رسول اللہ صلعم کی محبت حضرت عائشہ رض کے ساتھ

ایسی نہ تھی کہ خدا کی طرف سے غفلت و نسیان پیدا کرتی۔ لیکن یہ اللہ کی سُنتِ جاریہ ہے کہ وہ اپنے محبوب و برگزیدہ بندوں کو ابتلا میں ڈال کر اُن کے ثبات و استقلال کا امتحان لیا کرتا ہے اور اس طرح اُن کو تنبیہ کرتا رہتا ہے اور یہی وجہ ہوئی تاخیرِ نزولِ وحی کی۔ اس ایک مہینہ کے عرصہ میں جو رسول اللہ صلعم پر بہت سخت گذرا وہ تمام مراحل و درجات طے ہو گئے جن کا طے ہونا اثراتِ تعلیم کی تکمیل کے لئے ضروری تھا۔ علاوہ اس کے ایک مصلحت اور بھی کہ اس طرح حضرت عائشہ رض کی فضیلت اور نمایاں ہو گئی۔ پھر چونکہ اس قسم کی بدظنی زن و شوہر کے درمیان اکثر ہو سکتی ہے اس لئے اللہ کو اس کے متعلق یہ ظاہر کرنا تھا کہ اگر کبھی ایسا واقعہ ہو جائے تو شوہر کا فرض ہے کہ وہ صرف افواہ پر اعتبار کر کے عجلت میں کوئی ایسی بات نہ کر بیٹھے جو عورت کے حق میں ناانصافی و ظلم ہو اور رسول اللہ صلعم کے اس فعل کو ہمیشہ کے لئے نظیر قائم کرنا تھا۔ علاوہ اِس کے اسی ضمن میں معافی کی بھی فضیلت ثابت کرنی تھی اور وہ اس طرح کہ جب حضرت ابوبکر صدیق رض نے مسطح کے نان و نفقہ نہ دینے کا عہد کر لیا تو اُن کو تنبیہ کی گئی کہ ارباب کرم یوں قسم نہیں کھا بیٹھتے اور مساکین وغیرہ کا نفقہ نہیں بند کر دیتے بلکہ وہ درگزر کر دیتے ہیں کہ اللہ کو یہ صفت بہت پسند ہے۔ پھر اس کے ساتھ رسول اللہ صلعم پر یہ بھی ظاہر کر دینا مقصود تھا کہ وہ دوست دشمن میں تمیز کر لیں اور معلوم کر لیں کہ کس طرح منافقین اُن کے ساتھ مل کر بدخواہی کرتے ہیں ؞

غالباً اب کوئی بات اس واقعۂ اِفک کے متعلق ایسی نہیں ہے جو بیان سے رہگئی ہو، بعض مصنفین نے اس واقعہ کا سرے سے انکار ہی کردیا ہے اور صرف اس لئے کہ رسول اللہ صلعم پر جو بادی النظر میں یہ الزام عائد ہوتا ہے کہ انہوں نے کیوں بلا تحقیق اس افواہ کا اعتبار کرلیا، عائد نہ ہو، مگر ہماری رائے میں یہ اُن کی غلطی ہے کیونکہ رسول اللہ صلعم بشر تھے اور بشری فطرت پر معمول ہوئے تھے، اِس لئے اگر وہ اس سے دلگیر و متاثر ہوئے تو رسالت کی شان پر کوئی حرف نہیں آتا +

باب ہفتم

حضرت عائشہؓ کی لائف کا نہایت اہم واقعہ جس نے مخالفوں کو اعتراض و نکتہ چینی کا بہت زیادہ موقعہ دیا، واقعۂ جنگِ جمل ہے یہ وہ لڑائی تھی جو مابین حضرت علیؓ و حضرت عائشہؓ ہوئی اور جس نے حضرت عائشہؓ کے دیگر خصوصیات میں اس خصوصیت کا بھی اضافہ کردیا کہ آپ عملی سیاست میں بھی نہایت زور و قوت کے ساتھ حصہ لے سکتی تھیں اور حصہ لیا، ہر چند یہ اعتراض آپ پر وارد ہوتا ہے کہ آپ نے حضرت علیؓ خلیفۂ وقت کی مخالفت کی اور باہم ایسی جنگ چھیڑ کر ہزاروں مسلمانوں کی جانوں کا خون کیا لیکن حقیقت یہ ہے کہ آپ کا مدعا ہرگز یہ نہ تھا اور جنگ ہو جانیکے

اسباب ہی کچھ اور تھے، جو اس قدر پیچیدہ ہیں کہ اگر آج کوئی اُنہیں سلجھانا چاہے تو نہیں کامیاب ہو سکتا، لیکن اس حیثیت سے کہ ہم حضرت عائشہ رض کی لائف لکھ رہے ہیں ہمارے لئے ناگریز ہے کہ جنگِ جمل کے واقعہ کو اس میں درج کر کے اُس پر بسیط بحث کریں، اور معلوم کریں کہ وہ کیا بات تھی جس نے حضرت عائشہ رض کو حضرت علیؓ سے لڑنے پر مجبور کر دیا، اور وہ اسباب کیا تھے جنہوں نے یہ غیر مطبوع و ناخوشگوار شکر رنجی باہم پیدا کر دی تھی، مگر ہم اس کوشش میں کامیاب نہیں ہو سکتے، جب تک ایک تمہید کے ذریعہ سے ہم اُس وقت کی انتظامی حالت پر روشنی نہ ڈالیں۔ اس لئے وہ لوگ جو جنگِ جمل کی حقیقت سے آگاہ ہونا چاہتے ہیں اُن کو سب سے پہلے سر رشتۂ واقعات کی تلاش حضرت عثمان غنی رض (خلیفہ سوم) کے زمانۂ خلافت میں کرنی چاہیئے کیونکہ اصل نزاع، جو جنگِ جمل کی باعث ہوئی حضرت عثمان غنی رض ہی کے واقعۂ شہادت سے متعلق ہے۔ اور چونکہ خود مسئلہ شہادت کے متعلق کوئی صحیح نتیجہ اخذ نہیں کیا جا سکتا تاوقتیکہ ایک سرسری نگاہ اُن کی انتظامی حالت و نظامِ حکومت پر نہ ڈالی جائے اس لئے ہم سب سے پہلے مختصراً یہ بیان کریں گے کہ حضرت عثمان غنی رض کے خلیفہ ہونے کے وقت کیا حالت تھی، اُن کی خلافت میں کیا کیا واقعات ایسے ہوئے جس سے برہمی پھیلی اور پھر بیان واقعۂ شہادت کے بعد اُسی سلسلہ میں جنگ جمل پر تفصیلی بحث کریں گے، تاکہ تمام جزئیات پر احاطۂ کلی ہو جاوے اور

پھر کوئی بات ایسی نہ رہ جائے جس سے ایک دیکھنے والا تشنہ رہے۔ وماتوفیقی الا باللہ العلی العظیم ٭

جس وقت فاروق اعظم خلیفۂ ثانی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت وقوع میں آئی اُس وقت سارے ملک میں کوئی بات ایسی نہ تھی جس کو کسی لحاظ سے امن کے منافی کہا جائے، ہر شخص اپنی جگہ پر سکون کی زندگی بسر کر رہا تھا اور سارے ملک کا انتظام اس طرح ہو رہا تھا گویا مشین لگی ہوئی ہے اور وہ تمام اعضائے نظم کو مناسب مقام پر حرکت دے رہی ہے، لیکن جس وقت فاروق اعظمؓ کا وجود نہ رہا اور عنانِ خلافت حضرت عثمانؓ کے ہاتھ میں آئی تو تمام اعضائے نظم میں ایک اضمحلال پیدا ہو گیا اور نمایاں طور سے محسوس ہونے لگا کہ وہ مشین جس کو فاروق اعظمؓ چلا گئے تھے بگڑ چلی ہے اور اُس کے بگڑنے کی وجہ کھلی ہوئی تھی کیونکہ انہوں نے حکام کے عزل و نصب سے پرزوں کی ترتیب بدل دی اور اس طرح اُس کی رفتار میں فرق آ گیا۔ اللہ کی شان ہے کہ جس واقعہ نے حضرت عمرؓ کی زندگی کا خاتمہ کیا اُس نے لوگوں پر یہ بھی ظاہر کر دیا کہ حضرت عثمانؓ میں وہ قوت و جبروت نہیں ہے جو اتنے بڑے عظیم الشان کارگاہِ حکومت و خلافت کے چلانے کے لئے ضروری ہے، سب سے پہلی مصلحت اندیشی جو حضرت عثمانؓ نے کی وہ یہ تھی کہ عبداللہ بن عمرؓ سے انہوں نے کوئی بازپرس نہیں کی، حالانکہ اُن پر قتل کا الزام ثابت تھا۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ عبداللہ بن عمرؓ نعوذ باللہ واقعی

کشتنی تھے کیونکہ اُن کا آئندہ فسادات میں کوئی حصّہ نہ لینا
اُن کی وقعت کو بہت بڑھا دیتا ہے، مگر ہاں اس میں بھی کلام
نہیں کہ اگر حضرت عمرؓ کے سامنے یہ واقعہ پیش آتا تو وہ ہرگز کسی قسم
کی رعایت اپنے بیٹے کے ساتھ نہ کرتے، بہرحال یہ واقعہ ہو گیا
اور اس پر ایسا زیادہ لحاظ نہیں کیا گیا، لیکن چونکہ مسئلۂ خلافت میں
دو گروہ مختلف رائیں رکھنے والے تھے، اس لئے اس کا اثر
حضرت عثمانؓ کی خلافت پر اچھا نہیں پڑا۔ مگر سب سے زیادہ
سخت بات جس سے عام برہمی لوگوں میں پھیلنے لگی یہ تھی کہ حضرت
عثمانؓ نے گورنران و اعمال کا عزل و نصب شروع کیا اور زیادہ تر
اپنے ہی رشتہ داروں کو جگہ دینے لگے۔ جب ۳۴ھ میں
صحابۂ رسول صلعم نے مدینہ آکر حضرت عثمانؓ کے طرز عمل پر
نکتہ چینیاں شروع کیں تو سب کی یہ رائے قرار پائی کہ حضرت
علیؓ سے پہلے کہا جائے اور اُن کو مجبور کیا جائے کہ وہ جا کر
حضرت عثمانؓ کو سمجھائیں۔ حضرت علیؓ حضرت عثمانؓ کے پاس
گئے اور کہا کہ "اگر آپ پر نکتہ چینی کرنے والے آپ کے
دوست ہیں تو اُن کے نصائح پر عمل کیجئے اور اگر دشمن ہیں تو
بھی آپ کا فرض ہے کہ انہیں جھوٹا ثابت کیجئے اور اُن کی
زبان کو روکیے" حضرت عثمانؓ نے جو جواب دیا اس کے
اظہار کی ضرورت نہیں مگر ہاں یہ ضرور ہے کہ حضرت عثمانؓ کو
یہ اعتراض کچھ اچھا نہ معلوم ہوا اور آپ نے مسجد میں جا کر خطبہ
پڑھا کہ "حضرت عمرؓ سے لوگ دبتے تھے اور اُن کی سختیوں کو

برداشت کرتے تھے، میں نے تم لوگوں پر نرمی کی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ لوگ مجھ سے گستاخیاں کرنے لگے۔ اگر تم یہ کہو کہ میں اپنے اعزّہ کو زیادہ دیتا ہوں تو کیا سلطانِ وقت کو بیت المال پر اتنا بھی اختیار نہیں۔ اِن باتوں سے تم مجھے رنجیدہ نہ کرو"۔

مروان حضرت عثمانؓ کا چچیرا بھائی بڑا مُفسِد تھا اور رسول اللہؐ نے اُس کو معہ اُس کے باپ کے مدینہ سے نکلوا دیا تھا۔ لیکن حضرت عثمانؓ نے خلیفہ ہو کر اُسے بُلا لیا اور نہ صرف بُلا لیا بلکہ قریب قریب تمام اختیارات اُسی کو دیدیئے۔ چنانچہ جتنے قابل اعتراض امور حضرت عثمانؓ سے صادر ہوئے وہ سب اُسی مروان کی شرارتوں کا نتیجہ تھے، الغرض وہ مروان کی شرارتوں کا نتیجہ ہو یا حضرت عثمانؓ کے حلم و مروت کا، اس میں کلام نہیں کہ سارا زمانہ اُن سے بدلا ہوا تھا، لوگوں کو یہ بات سخت ناگوار تھی کہ وہ نوجوان بچوّں کو صحابۂ کرام پر ترجیح دیتے ہیں اور اپنے عزیزوں کو حکومتیں سپرد کرتے ہیں، چنانچہ اُنھوں نے عبداللہ بن ابی سرج کو مصر کا گورنر مقرر کیا اور جب اُس کے مظالم کی شکایت کی گئی تو کوئی خیال نہیں کیا گیا سوائے اس کے ایک نامۂ عتاب اُس کے نام روانہ کیا گیا، مگر اس سے عبداللہ اور برہم ہوا اور بجائے اس کے کہ وہ مظالم سے باز رہتا اُس نے اُن لوگوں پر بیحد سختیاں شروع کیں جنھوں نے حضرت عثمانؓ سے شکایت کی تھی بلکہ ایک کو مار بھی ڈالا۔ اس واقعہ کے بعد پھر چند آدمی فریاد لیکے

مدینہ پہنچے، حضرت علیؓ حضرت طلحہؓ اور حضرت عائشہؓ نے
حضرت عثمانؓ کو بہت مجبور کیا کہ وہ انصاف کریں اور اس
مسئلہ کی طرف متوجہ ہوں۔ اس پر حضرت عثمانؓ نے کہا کہ اچھا
تمہیں کوئی شخص تجویز کرو جو مصر کا حاکم بجائے ابن ابی سرح کے
بنایا جائے۔ لوگوں نے محمدؒ ابن ابی ابکر کو منتخب کیا۔ جب یہ
اپنی تقرری اور ابن ابی سرح کی معزولی کا پروانہ لے کر چلے تو
راہ میں حضرت عثمانؓ کا غلام ایک تیز اونٹ پر سوار مصر کی
طرف جاتا ہوا ملا۔ محمدؒ کے ساتھیوں نے اُسے مشتبہ سمجھ کر
اُس کی تلاشی لی تو ایک خط حضرت عثمانؓ کا ابن ابی سرج کے نام
کا نکلا جس میں تحریر تھا کہ "محمدؒ تمہارے پاس آتا ہے اِس کو اور
اِس کے ساتھیوں کو مار ڈالو اور اپنے کام پر بدستور بحال رہو"
جب یہ تحریر محمدؒ نے دیکھی تو فوراً مدینہ واپس آئے اور حضرت
علیؓ، زبیرؓ، طلحہؓ اور سعیدؓ کو یہ خط دکھایا۔ لوگ سمجھ گئے کہ
حضرت عثمانؓ تو ایسا کر نہیں سکتے یہ سب شرارت مروان کی
ہے (جس کے ہاتھ میں حضرت عثمانؓ کے دستخط اور مہر خلافت
ہے) چنانچہ حضرت عثمانؓ سے کہا گیا کہ مروان کو علیحدہ کر دیں
اور اُن لوگوں کے سپرد کر دیں، حضرت عثمانؓ نے مروان
کے علیحدہ کرنے میں تامل کیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ صحابہؓ اور
زیادہ منحرف ہو گئے اور منحرف کیا ہو گئے بس انہوں نے
یہ عہد کر لیا کہ اب حضرت عثمانؓ کے معاملہ میں نہ پڑینگے
نتیجہ جو کچھ بھی ہو۔ اب اس معاملہ نے اُن لوگوں کو جو حضرت

عثمانؓ کے گھر کا محاصرہ کر لیا کہ یا تو خلافت سے دست بردار ہوں یا مروان کو حوالہ کر دیں۔ حضرت عثمانؓ نے کوئی بات منظور نہ کی اور نتیجہ یہ ہوا کہ حضرت عثمانؓ شہید ہوئے، ہر چند حضرت علیؓ نے اپنے صاحبزادہ حسینؓ اور طلحہؓ نے اپنے بیٹے محمدؒ اور زبیرؓ نے اپنے بیٹے عبداللہ کو متعین کر دیا تھا کہ حضرت عثمانؓ پر کوئی آنچ نہ آئے، لیکن کوئی تدبیر کارگر نہ ہوئی اور ظالموں نے حضرت عثمانؓ ایسے متقی، پرہیزگار، حلیم و صلح کل شخص کو شہید کر ہی ڈالا جب شہادت عثمانؓ غنی کے بعد حضرت علیؓ خلیفہ ہوئے تو انہوں نے مروان کو طلب کیا، مگر اُس کا کہیں پتہ نہ تھا، نائلہ زوجۂ حضرت عثمانؓ سے قاتلوں کا پتہ پوچھا گیا تو انہوں نے دو نامعلوم الاسم شخصوں کا پتہ دیا۔ نائلہ کے سوا کوئی دوسرا دعویدار نہ تھا اور نائلہ کسی کا نام نہ بتا سکتی تھیں، اس لئے قاتلان عثمانؓ کی نسبت اُسوقت ٹھیک ٹھیک نہیں معلوم ہوا کہ وہ کون تھے، ہر چند یہ فرض حضرت علیؓ کا تھا کہ وہ قاتلوں کا پتہ چلاتے لیکن اُنہوں نے اُس وقت کی پُر شورش حالت کو دیکھ کر یہی مناسب سمجھا کہ فی الحال مسئلۂ قصاص کو ملتوی کیا جائے، آئندہ جب ذرا اطمینان ہوگا تو دیکھا جائے گا، مگر اُس طرف طلحہؓ، زبیرؓ اور دیگر ہواخواہان حضرت عثمانؓ قاتلوں سے قصاص لینے پر زور دے رہے تھے اور کہتے تھے کہ مسئلۂ قصاص تمام دور اندیشیوں سے زیادہ ضروری ہے۔ اس کے بعد ہی حضرت علیؓ نے حضرت عثمانؓ کے طرفدار حاکموں کو معزول کرنا شروع کیا اور اس نے اور آگ لگا دی۔ قصاص کا خیال لوگوں کے

دلوں میں نہایت تیزی سے بڑھنے لگا اور طلحہ رض و زبیر رض مکہ چلے گئے
اس زمانہ میں جب حضرت عثمان رض کی شہادت وقوع میں آئی حضرت
عائشہ رض مدینہ سے مکہ بغرض حج تشریف لائی تھیں، جب آپ بعد
فراغت حج مدینہ جانے لگیں تو راستہ ہی میں شہادت عثمان غنی رض
کی خبر سُنی، ہرچند وہ حضرت علی رض کو حضرت عثمان پر معاملہ خلافت
میں ترجیح دیتی تھیں، لیکن واقعہ شہادت کو سُن کر انہیں سخت
صدمہ پہنچا اور وہ مکہ واپس تشریف لے آئیں اِدھر طلحہ رض و زبیر رض
پہنچ گئے اور انہوں نے حضرت عائشہ رض کو مجبور کیا کہ قاتلانِ
عثمان رض سے قصاص لینے کے لئے وہ بھی آمادہ ہوں، چونکہ قصاص
کا مسئلہ نہایت ضروری تھا اور وہ بھی حضرت عثمان رض جیسے
صحابی کے قتل کا قصاص حضرت عائشہ رض اس پر آمادہ ہوگئیں،
اتفاقِ وقت اُدھر بصرہ سے عبداللہ بن عامر اور یعلی بن امیہ
یمن سے اپنی معزولی کی خبر سُن کر معہ نقد وجنس کے مکہ میں پہنچ گئے
ام سلمہ رض سے حضرت عائشہ رض نے کہا کہ حضرت عثمان کے خون کا بدلہ
لینا ضروری ہے، اس پر ام سلمہ رض نے جواب دیا کہ "عائشہ رض کل تک
تو تم حضرت عثمان رض کو امورِ خلافت کے متعلق بُرا بھلا کہتی تھیں اور
آج اُن کی حامی ہوکر بے وجہ حضرت علی رض کے مقابلہ کو جاتی ہو،
مجھے تم پر سخت تعجب آتا ہے" یہ سُن کر حضرت عائشہ رض کا ارادہ
مضمحل ہوگیا تھا لیکن حضرت عائشہ رض کے بھانجے عبداللہ بن زبیر رض
نے کیا حد سے زیادہ اصرار، اُدھر عبداللہ بن عامر اور یعلی ابن امیہ
نے دی ترغیب نتیجہ یہ ہوا کہ حضرت عائشہ رض پھر آمادہ ہوگئیں اور

سب کے سب بصرہ کی طرف اس ارادہ سے چلدیئے، ایک اعلان عام کردیا گیا کہ جس کو قصاص عثمانؓ کی خواہش ہو ساتھ ہو جائے، اس تحریک سے اور ہزاروں آدمی شامل ہو گئے۔ اِن لوگوں نے پہلے شام چلنے کا ارادہ کیا تھا اس خیال سے کہ معاویہ بھی اُن کے شریک ہو جائے گا، لیکن جب بعد کو معلوم ہوا کہ معاویہ خود خلیفہ بننے کی فکر میں ہے اور اُس سے کوئی مدد نہ ملے گی تو مجبوراً انھوں نے بصرہ کا رُخ کیا اور بصرہ پہنچکر قیام کا ارادہ کیا۔ طلحہؓ، زبیرؓ اور حضرت عائشہؓ کی رائیں کبھی کبھی بدل جاتی تھیں، لیکن کچھ حالت ایسی تھی کہ اب بغیر اس کام کو اخیر تک پہنچائے بھی نہیں رہا جاتا تھا جب بصرہ کے قریب حضرت عائشہؓ کا لشکر پہنچا تو احنف بن قیس کو حضرت عائشہؓ نے طلب کر کے مدد چاہی۔ احنف نے کہا کہ "مجھے خوب یاد ہے جب حضرت عثمانؓ قریب ہلاکت کے تھے تو میں نے آپ سے پوچھا تھا کہ حضرت عثمانؓ کے بعد کس کے ہاتھ پر بیعت کروں تو آپ نے فرمایا تھا کہ علیؓ ابن ابی طالب سے بڑھکر کوئی نہیں ہے" حضرت عائشہؓ نے کہ "ان باتوں کو تم مجھ سے زیادہ نہیں جانتے ہو" مگر احنف نے کہا نہیں مانا اور چار ہزار آدمیوں کو ساتھ لیکر وہ بصرہ سے دو کوس کے فاصلہ پر علیحدہ مقیم ہو گیا، حضرت علیؓ کو بھی اطلاع مل گئی تھی اور وہ چاہتے تھے کہ یہ لوگ راستہ ہی میں روک لئے جائیں، لیکن غلطی یہ ہوئی کہ حضرت علیؓ کوفہ کی طرف سے چلے گئے اور وہ لوگ بصرہ کی طرف سے

آرہے تھے۔ جب حضرت علیؓ کوفہ کے قریب آئے تو آپ نے حسنؑ اور عمار یاسر کو کوفہ بھیجا کہ وہاں سے بھی مدد لیجائے، یہاں ابو موسیٰ اشعری جنکی معزولی کا حکم حضرت علیؓ دیچکے تھے موجود تھے انہوں نے بہت کوشش کی کہ لوگ حضرت علیؓ کا ساتھ نہ دیں لیکن کچھ کامیابی نہ ہوئی اور تقریباً دس ہزار آدمی یہاں سے بھی مہیا ہو گئے، راستہ سے حضرت علیؓ نے طلحہؓ و زبیرؓ اور بعض روایات کی رُو سے حضرت عائشہؓ کو نیچے اور اُن سے کہا گیا کہ آخر اس کشت و خوں سے کیا فائدہ ہے، مگر اس سے کچھ مطلب نہ نکلا بلکہ جب حضرت علیؓ کی تحریر آئی تو قاصد کے سامنے ہی عبداللہ بن زبیرؓ نے اپنے ساتھیوں سے مخاطب ہو کر کہا کہ "علیؓ نے تمہارے خلیفہ عثمانؓ کو قتل کیا اور اب تمہارے ہتھیار چھیننے کو یہاں آتا ہے" عبداللہ بن زبیرؓ کا ایسا کہنا سراسر خلافِ انصاف تھا ورنہ دنیا کو معلوم ہے کہ حضرت علیؓ قتل عثمانؓ میں کسی طرح شریک نہ تھے۔ جب یہ خبر حضرت علیؓ کو معلوم ہوئی تو اُن کے اشارہ سے امام حسنؑ نے اپنی فوج میں یہ خطبہ پڑھا کہ "عبداللہ بن زبیرؓ علیؓ کو قاتلانِ عثمانؓ کہتا ہے، حالانکہ تمام مہاجرین و انصار اس بات کو جانتے ہیں کہ زبیرؓ ہمیشہ عثمانؓ کے خون پر نکتہ چینیاں کیا کرتے تھے اور طلحہ بن عبداللہ بھی اُن انقلاب پسند لوگوں میں سے تھا جو قتلِ عثمانؓ کے اصلی محرک و بانی تھے ہم لوگوں کی لڑائی ہرگز انصارِ عثمان سے نہیں ہے بلکہ اہل جمل سے ہے"۔ (حضرت عائشہؓ کا لشکر اہل جمل کہلاتا تھا، کیونکہ جمل عربی میں اونٹ کو

کہتے ہیں اور اُن کے لشکر میں اونٹ بہت کثرت سے تھے) حضرت عائشہؓ کے بصرہ پہنچنے سے پہلے عثمان ابن حنیف حضرت علیؓ کی طرف سے وہاں کا حاکم ہوکر پہنچ چکا تھا، اس لئے جب اُسے معلوم ہوا کہ یہ لوگ اس قدر جمعیت کے ساتھ مدینہ جا رہے ہیں تو اُس کو کچھ شبہ ہوا اور اُس نے حضرت عائشہؓ کے پاس ایک آدمی بھیجکر دریافت کیا کہ آپ کا کیا مقصد و مدعا ہے، حضرت عائشہؓ نے کہلا بھیجا کہ عثمان غنیؓ چونکہ بیگناہ شہید ہوئے ہیں اس لئے ہم لوگ اُن کے قاتلوں کی تلاش و جستجو میں جا رہے ہیں تاکہ اُن سے قصاص لیا جائے، لیکن عثمان بن حنیف کو اس جواب سے اطمینان نہیں ہوا اور ارادہ کر لیا کہ جس طرح ہوگا ان کو یہیں روکا جائے گا، چنانچہ اکثر اہل بصرہ کے ساتھ وہ اہل جمل کے مقابلہ کو نکلا۔ جس وقت دونوں لشکر مقابل ہوئے تو طلحہ باہر نکلے اور اُنہوں نے فضائل عثمانؓ پر ایک تقریر کی اور قاتلوں سے قصاص لینے کو فرض بتا کر لوگوں کو اس طرف توجہ دلائی، اہالی بصرہ نے جب طلحہ زبیر و حضرت عائشہؓ کی یہ تقریریں سنیں تو بعض اُن میں سے بہت متاثر ہوئے اور مقابلہ سے ہٹ گئے، لیکن بعض نے کہا کہ "اگر ایسا ہی تھا تو طلحہ و زبیر نے حضرت علیؓ کے ہاتھ پر بیعت کیوں کی تھی، یہ معاملہ قصاص عثمان کا نہیں ہے بلکہ حقیقتاً اس بہانہ سے مقصود حضرت علیؓ کو معزول کرنا ہے" چنانچہ اہل بصرہ دو گروہ میں تقسیم ہوگئے ایک تو وہ جو اہل جمل کے خیالات سے متفق تھے اور دوسرا وہ جو حضرت

علیؓ کا طرفدار تھا۔ عثمان بن حنیف کے بعض ساتھیوں کو یہ امر
بہت ناگوار گذرا کہ اہل جمل نے حضرت عائشہ کو بھی اپنے ساتھ
لے لیا اور اس طرح بہ حیثیت ام المومنین و حرم رسول اللہ صلعم
ہونے کے اُن لوگوں نے ایک بہت سخت بات کی، الغرض
ان کی کوشش بیکار گئی اور آخر کار عثمان بن حنیف کے لشکر
سے حکم بن جبلہ نے حضرت عائشہؓ کے لشکر پر حملہ کر ہی دیا۔ صبح
سے شام تک لڑائی جاری رہی اور دوسرے دن بھی اور فریقین
سے بہت آدمی کھیت رہے۔ اس کے بعد حضرت عائشہؓ نے
یہ پیغام بھیجا کہ میں فساد کو مٹانا چاہتی ہوں، میرے لئے یہ امر
سخت تکلیف دِہ ہے کہ مسلمان آپس میں لڑ کے ہلاک و برباد ہوں
میں صلح کرنا چاہتی ہوں، عثمان بن حنیف نے جواب میں کہلا بھیجا
کہ جب تک طلحہ و زبیر آپ کے لشکر میں ہیں صلح نہیں ہو سکتی
کیونکہ یہ سارا فساد انہیں کا ہے اور یہ مانیں کے نہیں مگر آخر کار
عثمان بن حنیف اس پر بھی راضی ہو گئے، لیکن حضرت عائشہؓ کے
لشکر میں ایسے لوگ بھی تھے، جن کا مقصد ہی فتنہ پردازی
امن شکنی اور شر و فساد کا بڑھانا تھا اور جو چاہتے تھے کسی طرح
شورش و بغاوت کر کے نظامِ حکومت زیر و زبر کر دیا جائے،
انہوں نے اس صلح کو پسند نہیں کیا اور بہت سے لشکر کے
آدمیوں کو ملا کر رات کے وقت عثمان بن حنیف کے لشکر پر
شب خون مارا اور بہت سے آدمیوں کو قتل کیا۔ عثمان بن حنیف
بھی گرفتار کر لئے گئے، لیکن انہیں پھر چھوڑ دیا۔ جب یہ حضرت

علیؓ کے پاس پہنچے اور انہیں سارا ماجرا معلوم ہوا تو وہ بہت رنجیدہ ہوئے اور بصرہ کی طرف بڑھے۔ اِدھر بصرہ میں جب اہلِ جمل یک جا ہوئے تو یہ گفتگو شروع ہوئی کہ معاملاتِ مذہب میں جب تک کوئی امام نہ ہو کام نہیں چل سکتا، اس لئے کسی کو پیشوا اور امام مقرر کرنا چاہئے، محمدؒ نے اپنے باپ طلحہ اور عبداللہ نے اپنے باپ زبیر کو نامزد کیا۔ جب حضرت عائشہؓ کو یہ خبر پہنچی تو اب وہ سمجھیں کہ یہاں تو دوسرا ہی رنگ ہے اور ارادہ ہی کچھ اور ہے۔ آپ نے فوراً حکم دیا کہ اس قسم کی گفتگو بند کیجائے کیونکہ کوئی شخص مسلمانوں کا امام نامزد نہیں ہو سکتا (جب کہ حضرت علیؓ خلیفہ ہو چکے ہیں) اور عبدالرحمن، عبداللہ، محمدؒ باری باری نماز پڑھائیں۔ حضرت علیؓ کے لئے یہ امر بہت تکلیف دِہ تھا کہ وہ مسلمانوں کے مقابلہ میں تلوار اُٹھائیں، آپ نے بار بار اس امر کی خواہش ظاہر کی کہ کسی طرح صلح ہو جائے لیکن اُن کی یہ خواہش کسی طرح پوری نہ ہوئی، مجبور آپ اپنے دونوں صاحبزادوں حسنینؑ، عمار بن یاسر، محمدؒ بن ابی بکر اور بہت سے انصار کے ساتھ مقابلہ کے لئے بصرہ کی طرف روانہ ہوئے اور تمام گورنروں کے نام پروانے جاری کئے کہ سامانِ رسد فراہم کریں اور کمک پورٹ بھیجیں ابو موسےٰ اشعری کو بغرض فراہمی رسد پروانہ لے کر کوفہ روانہ کیا، ابو موسےٰ کو کوفہ کی گورنری مِل گئی تھی اور وہ اس وقت سے کچھ کبیدہ تھا۔ اسی اثناء میں عمار یا ابن یاسر، جو معززاصحاب بدر میں سے تھا جب سے مع

حضرت حسنؑ کوفہ پہنچگئے۔ اور اہلِ جمل کے طریقۂ عمل کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرکے ظاہر کیاکہ اُن کی یہ کاروائی غلط فہمی پر مبنی ہے، قصاصِ عثمان کامسئلہ بالکل بہانہ ہے، ورنہ اصل مدعا ان لوگوں کا خلافتِ موجودہ کو زک پہنچانا ہے، ورنہ قصاصِ عثمان کے لئے حضرت علیؓ سے زیادہ کوئی بیتاب و مضطر نہیں ہو سکتا، اسی دورانِ تقریر میں مالکِ اشترؔ نے جو حضرت علیؓ کا بڑا پُر جوش حامی وطرفدار تھا ابو موسےٰ کے مکان کا محاصرہ کرکے اُس پر قبضہ کر لیا جب اہلِ کوفہ نے یہ رنگ دیکھا تو امداد پر آمادہ ہو گئے اور قریب دس ہزار آدمیوں کے حضرت علیؓ کے ساتھ ہو گئے جب بصرہ کچھ دور رہگیا تو حضرت علیؓ نے قعقاع ابن عمرؔ کو اہل جمل کے پاس بغرض رفع نزاع روانہ کیا، حضرت عائشہؓ نے کہاکہ اگر علیؓ چاہیں تو سارا جھگڑا ابھی طے ہوا جاتا ہے، اُدھر حضرت علیؓ کا یہ کہنا تھا کہ ام المومنین نے ناحق وصیّتِ رسول صلعم کے خلاف وطن سے باہر قدم نکالا، مجھے تو سارا ملال طلحہ و زبیر سے ہے کہ وہ مجھ سے بیعت کرکے منحرف ہو گئے، میری غرض صرف یہ ہے کہ طلحہ و زبیر کو پھر اُن کے عہد پر قائم کروں، اور ام المومنیں کو بہ احترامِ تمام پھر مدینہ پہنچا دوں" وہ لوگ جو اہلِ جمل کی طرف سے قعقاع کے ساتھ حضرت علیؓ کے پاس گئے تھے انہوں نے واپس جا کر حضرت علیؓ کی بہت تعریف کی، چنانچہ ایک سردار عاصم بن کلیب معہ اپنے ساتھیوں کے حضرت

علی رض کا مطیع و طرفدار ہو گیا، اتنے میں حضرت علی بھی معہ اپنے
لشکر کے بصرہ میں پہنچ گئے اور اہلِ جمل کے قریب جا کر طلحہ و زبیر کو
آواز دی، جب وہ قریب آئے تو اُن سے کہا کہ "جب قیامت
کے دن اللہ جلشانہ تم سے اس لڑائی کا سبب دریافت کریگا
اور ضرور دریافت کرے گا کیونکہ اُس نے کلام مجید میں فرمایا ہے
کہ "فوربک نسئلنہم اجمعین عما کانوا یعلمون" تو اُس وقت
تمہارے پاس کیا جواب ہو گا، ذرا میں بھی تو سنوں، اُن تعلقات کو
چھوڑ دو، جو میرے اور تمہاری قرابت و اُخوت سے متعلق ہیں،
لیکن رسول اللہ صلعم کی مصاحبت کا جو رشتہ ہمارے اور تمہارے
درمیان ہے، اُس کا تو خیال کرو کیوں مجھ سے مقابلہ کرتے ہو"،
طلحہ و زبیر نے جواب دیا کہ "ہم تم سے اس لئے مقابلہ کرتے ہیں
کہ عثمان رض کا قتل تمہارے اشارہ سے ہوا" حضرت علی رض کو یہ سُن کر
سخت غصہ آیا اور کہا کہ "اچھا آؤ ہم تم مباہلہ کرلیں اور قبلہ کی طرف
ہاتھ اُٹھا کر دعا کریں کہ جس نے عثمان رض کے قتل میں حصہ لیا ہو،
یا قاتلین کو ترغیب دی ہو اُس پر اللہ اپنا غضب نازل کرے
تاکہ دنیا کو معلوم تو ہو جائے کہ یہ داغ کس کی پیشانی پر نمایاں ہوتا
ہے" مگر ان لوگوں نے کوئی جواب نہ دیا، زبیر بن عوام جو بنو ہاشم
سے تھے اور حضرت علی رض کے خالہ زاد بھائی تھے وہ بھی اہلِ جمل
کے ساتھ تھے لیکن کبھی کبھی ان کا میلانِ طبع حضرت علی رض کی طرف
ہو جاتا تھا، چنانچہ جب طلحہ کی یہ رائے ہوئی کہ حضرت علی رض کے لشکر
پر شب خون مارا جائے اور مرجان بن حکم نے بھی اس کی تائید کی

توزبیر نے اس سے اختلاف کیا۔ ادھر احنف بن قیس حضرت علیؓ کے پاس گئے اور اُن سے کہا کہ اہلِ بصرہ کو یہ خوف ہے کہ اگر آپ فتحیاب ہوئے تو مردوں کو قتل اور عورتوں کو کنیز بنائینگے" آپ نے فرمایا کہ "بھلا میں مسلمانوں کے ساتھ ایسا کرسکتا ہوں، اگر مجھے فتح نصیب ہوئی تو میں اپنے دشمنوں کے ساتھ نیکیاں کرونگا لیکن یہ تو بتاؤ کہ تم کس طرف ہو میرے موافق ہو یا مخالف" اُس نے کہا کہ میں آپ کا مطیع ہوں اگر آپ مجھے اپنی طرف بلائیں تو دو ہزار کی جمعیت سے آسکتا ہوں اور اگر نہ بلائیں تو دو ہزار آدمی لیکر اہلِ جمل سے علٰحدہ ہو سکتا ہوں" حضرت علیؓ نے دوسری صورت کو مناسب سمجھا۔ عبداللہ بن عباس بھی حضرت علیؓ کے ساتھ تھے، اہلِ جمل کی خبر سُن کر وہ بھی یمن کی طرف سے چلے آئے تھے، جب دونوں لشکر مقابل میں آئے تو عبداللہ بن عباس نے بیچ میں آکر حضرت علیؓ کی طرف سے اہلِ جمل کے سامنے پیغام مصلحت پیش کیا اور اُن کی تقریر کا کچھ ایسا اثر ہوا کہ اہلِ جمل نے رات بھر کی مہلت اس مسئلہ پر غور کرنے کے لئے طلب کی، وہ لوگ جو حضرت عثمانؓ کے دشمن تھے، وہ بھی حضرت علیؓ کی طرف تھے اس لئے حضرت علیؓ نے حکم دیا کہ جو لوگ شہادت عثمانؓ کے وقت بلوہ کرنے والوں میں شریک تھے ہم سے الگ ہو جائیں چنانچہ وہ لوگ علٰحدہ ہو کر لشکر سے دور جا کر ٹھہرے، اور رات کو اہلِ جمل پر شبخون مارا۔ اِدھر جب اہل جمل پر یوں حملہ ہوا تو انہوں نے یقین کر لیا کہ یہ حرکت حضرت علیؓ کی طرف سے یا اُن کے

اشارہ سے ہوئی ہے اور طلحہ وزبیر نے کچھ رات رہے کوفیوں پر حملہ کر دیا، حضرت علیؓ اس وقت نمازِ تہجد میں مشغول تھے، انہوں نے فوراً نماز ختم کر کے فوج کی آراستگی کا حکم دیا اور اس طرح جنگِ جمل شروع ہوگئی، اہلِ جمل میں حضرت عائشہؓ کا اونٹ گویا بطور علم کے تھا، اِدھر حضرت علیؓ، رسول اللہ صلعم کے اونٹ دُلدُل پر سوار چادر و دستار کے ساتھ دونوں فوج کے بیچ میں کھڑے ہوئے اور زبیر کو آواز دی، زبیر آنے میں پہلے متامل ہوئے، لیکن پھر آگے بڑھے، حضرت عائشہؓ نے زبیر کو روکا مگر لوگوں نے کہا کچھ حرج نہیں، یہ مسلح ہیں اور حضرت علیؓ کے پاس ہتھیار نہیں ہیں۔ حضرتِ علیؓ نے زبیر سے پوچھا کہ "تم یہاں کیوں آئے ہو" اُنہوں نے کہا کہ شہادت عثمانؓ کا قصاص طلب کرنے کو" حضرت علیؓ نے کہا کہ "عثمانؓ کو تم نے اور تمہارے دوستوں نے قتل کیا، تم اپنے نفس سے پہلے قصاص طلب کرو،" اس کے بعد حضرت علیؓ نے زبیر کو رسول اللہ صلعم کے وقت کی باتیں یاد دلائیں اس تقریر کا اِن پر ایسا گہرا اثر ہوا کہ وہ لشکر کو چھوڑ کر مدینہ جانے لگے۔ لوگوں نے کہا کہ حضرت علیؓ کی تلوار سے ڈر گئے۔ یہ سنتے ہی زبیر گھوڑا دوڑاتے ہوئے حضرت علیؓ کی فوج میں آئے۔ حضرت علیؓ نے حکم دیا کہ کوئی شخص ان پر ہتھیار نہ اُٹھائے، چنانچہ یہ لشکر میں سے ہو کر پھر واپس آئے اور کہا کہ ڈرنے والے کی یہی شان ہوتی ہے، میں ڈرتا نہیں ہوں، بلکہ اب مجھے یقین ہو گیا ہے کہ میں غلطی پر ہوں،

اس لئے میں اب اپنا یہاں ٹھیرنا مناسب نہیں سمجھتا اور یہ کہکر وہ چلے گئے۔ اِدھر حضرت علیؓ بڑھے اور آپ نے ایک ہمراہی کے ہاتھ میں قرآن دیدیا، یعنی اس سے مقصود یہ ظاہر کرنا تھا کہ ہم اہلِ قرآن ہیں اور ہم سے جنگ کرنا درست نہیں ہے" طلحہ نے یہ دیکھ کر کہا کہ ابن ابی طالب کیسے ہوشیار ہیں کہ دن کو صلح کرتے ہیں اور رات کو شبخون مارتے ہیں، سوءِ اتفاق اسی وقت کسی نے حاملِ قرآن حضرت علیؓ کے ساتھی کو مار ڈالا اور قرآن اُس کے ہاتھ سے چھوٹ پڑا۔ یہ دیکھ کر حضرت علیؓ کو تاب نہ رہی اور اپنی تلوار نیام سے کھینچ لی، جس طرف دائیں بائیں یہ جھکتے تھے کشتوں کے پشتے لگ جاتے تھے۔ آپ کی تلوار میں خم آگیا تو آپ نے اپنی ران کے نیچے دبا کر اُسے سیدھا کرنا چاہا، لوگوں نے مدد دینی چاہی، آپ نے کہا کہ میں اس خفیف سے کام میں کیا کسی کی مدد لوں، حضرت عائشہؓ کا لوگ بہت احترام کرتے تھے اور چونکہ حضرت عائشہؓ کا اونٹ کسی طرح ہٹتا نہ تھا اس لئے لڑائی ختم ہی نہ ہوتی تھی، مالک نے حضرت علیؓ کے اشارہ سے مُہار اپنے ہاتھ میں لے لینی چاہی۔ اس وقت سخت لڑائی ہوئی اور اہلِ جمل خوب جی توڑ کے لڑے، ستر آدمی یکے بعد دیگرے اونٹ کی مہار پکڑتے گئے اور قتل ہوتے گئے، آخر میں مہار ایک کوفی کے ہاتھ میں آگئی لیکن اونٹ اپنی جگہ سے ہلتا نہ تھا، حضرت علیؓ نے حکم دیا کہ اونٹ کے دونوں پاؤں کاٹ ڈالے جائیں، چنانچہ اُس کے پاؤں قطع کر دئیے

گئے اور وہ سینہ کے بل گر پڑا۔ اس کے بعد ہودج کی رسیاں
کاٹ دی گئیں اور ہودج زمین پر آ رہا، اس واقعہ سے اہل بصرہ
بہت بددل ہوئے اور بھاگ نکلے، مگر حضرت علیؓ نے کسی کو انکا
تعاقب نہ کرنے دیا۔ حضرت علیؓ کے فرمانے سے محمدؒ اپنی بہن
حضرت عائشہؓ کے پاس گئے اور دریافت کیا کہ "کوئی آزار تو
آپ کو نہیں پہنچا" آپ نے جواب دیا کہ "نہیں" اس کے بعد عبداللہ
بن زبیر، جن کو حضرت عائشہؓ نے اپنا بیٹا بنایا تھا مجروح ملے،
حضرت عائشہؓ کے کہنے سے حضرت علیؓ نے انہیں امان دی،
اور پھر محمدؒ اپنی بہن حضرت عائشہؓ اور اُن کے ساتھیوں کو لے کر
بصرہ گئے اور وہاں ایک مکان میں ٹھیرا دیا۔ زبیر بن عوام جو فوج
بصرہ سے نکلکر مدینہ کی طرف چلے تھے راستہ ہی میں مقتول ہوئے
ہر چند قاتل نے یہ حرکت اس لئے کی تھی کہ حضرت علیؓ خوش ہونگے
لیکن جب قاتل یہ خبر لے کر آیا تو آپ بہت ناراض ہوئے اور
زبیر کی تلوار قاتل کے ہاتھ میں دیکھ کر کہا کہ افسوس یہ وہ تلوار ہے
جس نے ایک مدت تک رسول اللہ صلعم کی اعانت کی تھی، قاتل
نے آخر کار خودکشی کر لی، طلحہ میدانِ جنگ ہی میں قتل ہوئے
اور خود اپنے ہی ساتھی کے ہاتھ سے، اس کا واقعہ یوں ہے
کہ حالتِ جنگ میں آپ ایک طرف کھڑے ہوئے تھے، مروان
ابن حکم نے ان کو دیکھا اور کہا کہ یہ بھی عجیب شخص ہے کہ یا تو کبھی
بغاوت کرنے والوں میں قتلِ عثمانؓ کی ترغیب دے رہا تھا
یا آج اُن کی عزاداری کر رہا ہے اور یہ کہکر مروان نے ایک

زہر آلود تیر طلحہ کی طرف چلایا جو آپ کے پیر پر پڑا، لیکن طلحہ لشکر سے شہر کی طرف پہنچنے بھی نہ پائے تھے کہ زہر کے اثر سے واصل بہ حق ہوئے، مرنے سے پہلے انہوں نے ایک کوفی سوار کے ہاتھ پر بیعت کی اور کہا کہ میں علیؓ کے لئے تیرے ہاتھ پر بیعت کرتا ہوں حضرت عائشہؓ کو کچھ ملال بھی تھا اور کچھ غصہ بھی تھا، لیکن رفتہ رفتہ یہ سب باتیں جاتی رہیں۔ حضرت علیؓ نے محمدؒ کے ساتھ انہیں مدینہ بھیجا اور بہت سی عورتوں کو مردانہ لباس پہنا کر ساتھ کرایا، عورتیں تو بغرض احترام ساتھ کی گئیں اور اُن کو مردانہ لباس پہنا دیا گیا کہ راستہ میں کوئی تعرض نہ کرے۔ حضرت عائشہؓ نے چلتے وقت حضرت علیؓ سے کہا کہ معاویہ تمہارا سخت دشمن ہے، مناسب ہے کہ مجھے بھی اپنے ساتھ لے لو، میں بھی اگر ہوں گی تو بہت کم لوگ تمہارے مقابلہ میں آئیں گے، لیکن حضرت علیؓ نے جواب دیا کہ "زبیر و طلحہ پر میرا یہی اعتراض تھا کہ وہ حرمِ رسول صلعم کو ساتھ ساتھ لئے پھرتے ہیں اور ذرا احترام آپ کا نہیں کرتے، تو کیا اب میں وہی بات کر سکتا ہوں جو میں نے دوسروں کے لئے پسند نہیں کی" جنگِ جمل میں تیس ہزار کی جمعیت حضرت عائشہؓ کی طرف تھی اور بیس ہزار کی حضرت علیؓ کی طرف۔ ایک ہزار سے کچھ اوپر آدمی حضرت علیؓ کی طرف کے مارے گئے اور قریب نو ہزار آدمی اہل جمل کے مقتول ہوئے۔ جنگِ جمل کے بعد حضرت عائشہؓ مدینہ واپس تشریف لے گئیں۔ اس جنگ میں حضرت عائشہؓ کی طرف کے لوگوں کے زیادہ مارے جانے کی وجہ یہ ہوئی کہ حضرت عائشہؓ کا

اونٹ جو بجائے علم کے تھا ہٹتا ہی نہ تھا اور چونکہ یہ عربوں کی جرمی خصوصیت ہے کہ جب تک نشانِ علم قائم رہتا ہے وہ اپنی جگہ سے نہیں ہٹتے، اس لئے یہ ممکن نہ تھا کہ حضرت عائشہؓ کے اونٹ کے برقرار ہوتے وہ بھاگ جاتے، علاوہ اس کے ام المومنین کا احترام کہ اُن کو چھوڑ کر کیونکر چلے جائیں اور زیادہ اس کا باعث ہوا۔ اس میں کلام نہیں کہ اگر حضرت عائشہؓ کے اونٹ کو ہلاک نہ کیا جاتا تو سارے اہل جمل ایک کر کے وہیں تصدق ہو جاتے اور بھاگنے کا نام نہ لیتے، لیکن حضرت علیؓ کی اس ترکیب نے اور زیادہ کشت و خون کو بچا لیا۔ یہ تھے وہ تمام واقعات و اسباب جن کا تعلق جنگ جمل سے ہے، جس سے شیعیان علیؓ آج تک حضرت علیؓ کو بُرا بھلا کہتے ہیں۔ لیکن اب ہمیں یہ دیکھنا چاہیئے کہ اس کا نتیجہ کس کو خطا کار اور کس کو بلا قصور ٹھہراتا ہے۔ یہ تو ظاہر ہے کہ وہ انقلاب پسند جماعت جو حضرت عثمانؓ کی خلافت کے خلاف تھی، اور جس کی ریشہ دوانیاں و شرارتیں آخر کار شہادت عثمانؓ کی باعث ہوئیں، حضرت علیؓ سے کچھ سروکار نہ رکھتی تھیں اور اگر کوئی تعلق ہو سکتا تھا تو صرف اس قدر کہ انہوں نے اس جماعت کی شکایتیں حضرت عثمانؓ کے پاس بارہا پہنچائیں اور جب انہوں نے حضرت علیؓ کی صلاح و مشورہ کے مطابق نہیں کیا تو حضرت علیؓ نے آئندہ کے لئے عہد کر لیا کہ اب میں عثمانؓ کے معاملہ میں نہیں پڑوں گا، نتیجہ جو کچھ بھی ہو، مگر جس وقت باغیوں نے حضرت عثمانؓ کے مکان کا محاصرہ کیا اور پانی تک

آپ پر بند کردیا تو حضرت علیؓ نے پھر بھی یہ کیا کہ اُن کو پانی وغیرہ بھجواتے رہے اور اپنے بڑے صاحبزادہ حسنؑ کو اُن کے مکان پر بھیجا کہ دیکھو عثمانؓ کو کوئی آزار نہ پہنچے۔ اس کے بعد جب حضرت عثمانؓ کی شہادت وقوع میں آئی اور حضرت علیؓ کی خلافت بجائے اُن کے قائم ہوئی تو سب سے اہم مسئلہ قصاصِ عثمانؓ کا تھا جو حضرت علیؓ کو طے کرنا تھا، لیکن اُنہوں نے مصلحتاً اس کو اس وقت نہیں چھیڑا کہ جب پوری طرح تسلط ہو جائے گا تو دیکھا جائے گا ہر چند اس میں تھوڑا سا الزام حضرت علیؓ پر عائد ہوتا ہے کہ اُنہوں نے کیوں نہ ایسے اہم مسئلہ پر فوری توجہ کی، لیکن حقیقت یہ ہے کہ حضرت علیؓ کا ہرگز یہ ارادہ نہ تھا کہ قصاص کا مسئلہ بالکل التوا میں ڈالدیا جائے، لیکن وہ لوگ جو حضرت عثمانؓ کی خلافت کے زمانہ ہی میں خلافت کے جوڑ توڑ لگا رہے تھے کیونکر یقین کر سکتے تھے کہ حضرت علیؓ کا یہ کہنا مناسب و موزوں ہے۔ طلحہ وزبیر نے اس جنگِ جمل میں بہت نمایاں حصہ لیا اور جس کی نسبت کہا جاتا ہے کہ ان دونوں نے خواہش ظاہر کی تھی کہ ہمیں بصرہ وکوفہ کی گورنری دیدی جائے، لیکن حضرت علیؓ نے ان سے کہا کہ آپ لوگوں کا یہیں مدینہ میں رہنا مناسب ہے کہ مجھکو آپ سے بہت مدد ملے گی، یہ بات انہیں ناگوار ہوئی اور شہادت عثمانؓ کا ایک حیلہ اُن کے ہاتھ آگیا، مگر انصاف اگر دنیا میں کوئی چیز ہے تو ہم نہیں سمجھ سکتے کہ اتنا بڑا الزام طلحہ وزبیر ایسے اجل صحابہؓ پر کیونکر لگایا جا سکتا ہے۔ اس میں

کلام نہیں کہ وہ حضرت علیؓ کے مقابلہ میں آئے، لیکن اُس کو پرخاش یا عداوت کہنا غلط ہے، اس لئے کہ جس وقت حضرت عثمانؓ کا عہد خلافت ختم ہوا اور نئے خلیفہ کی تلاش ہوئی تو یہ دونوں حضرات بھی اپنا ایک ایک گروہ رکھتے تھے جو ان کی خلافت کو چاہتا تھا، مگر انہوں نے اس فتنہ و فساد کو دیکھ کر خلافت کی خواہش کو ترک کر دیا اور کبھی ایک لمحہ کے لئے بھی یہ روا نہیں رکھا کہ وہ خلیفہ بنائے جائیں یا اُن کی خلافت کے لئے کسی قسم کی تحریک کی جائے، پھر جن لوگوں نے خلافت کے لئے کوشش نہیں کی حالانکہ وہ کر سکتے تھے تو کیا یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ وہ حضرت علیؓ سے صرف اس بات پر برہم ہو جائیں گے کہ انہوں نے بصرہ و کوفہ کی گورنری انہیں دی تھی یہ بالکل غلط و لغو استدلال ہے۔ اچھا پھر یہ غور کرنا چاہئے کہ انہوں نے فراہمی لشکر کر کے کیوں مدینہ کا رُخ کیا تھا، اس کی وجہ کھلی ہوئی ہے کہ وہ قاتلانِ عثمانؓ کو سزا دینا چاہتے تھے اور چونکہ حضرت علیؓ کی طرف سے وہ تساہل محسوس کرتے تھے، اس لئے انہوں نے اپنا فرض سمجھا کہ وہ قاتلان کو گرفتار کر کے اُن کو سزا دیں، لیکن اگر تھوڑی دیر کے لئے ہم اسے تسلیم بھی کر لیں کہ طلحہ و زبیر اور حضرت عائشہ سے غلطی ہوئی تو اسی نوع کی غلطی کا گمان حضرت علیؓ کی طرف بھی ہوتا ہے اور اس کے متعلق ہم حضرت علیؓ اور امام حسنؑ اُن کے بڑے صاحبزادہ کی گفتگو نقل کرتے ہیں جو اُس وقت ہوئی تھی جب اہل جمل نے خروج کیا تھا۔ حضرت حسنؓ نے حضرت علیؓ سے کہا کہ

میری رائے میں آپ نے تین غلطیاں کی ہیں، پہلی غلطی تو یہ کہ جب حضرت عثمانؓ کے محاصرہ کا زمانہ تھا تو میں نے عرض کی تھی کہ آپ ہم لوگوں کو لے کر کہیں باہر نکل چلئے ورنہ آپ کو لوگ ضرور متہم کریں گے، لیکن آپ نے کچھ خیال نہ کیا، اس کے بعد دوسری غلطی یہ ہوئی کہ میں نے آپ سے کہا تھا کہ جب تمام لوگ بیعت نہ کرلیں آپ گھر سے باہر نہ نکلیں، آپ نے اس پر بھی عمل نہ کیا، تیسری غلطی یہ کہ جب وہ لوگ بصرہ چلے گئے تو میں نے کہا تھا کہ انہیں اُن کے حال پر چھوڑ دیجئے جن کسی کو وہ قاتلِ عثمان سمجھیں گے قتل کریں گے آپ سے کیا تعلق"۔ حضرت علیؓ نے جواب میں کہا کہ محاصرۂ عثمانؓ کے زمانہ میں میرا ارادہ باہر چلنے کا اس وجہ سے نہیں ہوا کہ میرا یہ خیال نہ تھا کہ معاملہ اس حد تک پہنچ جائیگا، بیعت کے معاملہ میں میں گھر سے باہر اُسی وقت نکلا جب سب لوگ بیعت کر چکے تھے اب بیعت کر کے کوئی پھر جائے تو اس کا کیا علاج، تیسرے امر کی نسبت میں خوب جانتا ہوں کہ مخالفوں کو عثمانؓ کے خون کا دعوےٰ نہیں ہے بلکہ یہ لوگ کچھ اور ہی نیت رکھتے ہیں، اس لئے میں کیونکر انہیں اس طرح چھوڑ سکتا ہوں"۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علیؓ کو یقین تھا کہ اہلِ جمل اس لئے آرہے ہیں کہ انہیں خلافت سے معزول کریں اور اسی بنا پر حضرت علیؓ اتنا بڑا لشکر لے کر مقابلہ کے لئے چلے، مگر جب باوجود مکرر سہ کرر دریافت کے حضرت علیؓ کو یہی جواب اس طرف سے دیا گیا کہ ہمارا ادعا صرف قاتلانِ عثمانؓ سے قصاص لینے کا ہے تو پھر ان کا یہ خیال

سوائے اس کے کہ دور اندیشی اور مصلحت بینی پر محمول کیا جائے اور کیا ہو سکتا ہے، الغرض اگر غلط فہمی اہلِ جمل سے ہوئی تو حضرت علیؓ سے بھی یقیناً تھوڑی سی غلط فہمی ہوئی۔ کیونکہ حضرت عائشہؓ ہمیشہ حضرت عثمانؓ پر حضرت علیؓ کو خلافت کے لئے زیادہ موزوں سمجھتی رہیں اور اس کا علم حضرت علیؓ کو بھی تھا، پھر حضرت علیؓ کو کم از کم حضرت عائشہؓ کی طرف سے تو مطمئن ہی رہنا چاہئے تھا اور جب حضرت عائشہؓ کا مدعا یہ نہ تھا تو ظاہر ہے کہ اُن کے ہوتے کسی کی مجال نہ تھی کہ وہ حضرت علیؓ کی خلافت کا انتزاع کرا سکتا یا ایسا سودا دماغ میں پکا سکتا، علاوہ اس کے اہلِ جمل کا کیرکٹر اس واقعہ سے اور صاف ہو جاتا ہے کہ حضرت علیؓ نے عین معرکہ کے دن اہلِ جمل کے سامنے تقریر کی تو اُنہوں نے ایک شب کی مُہلت غور کرنے کے لئے مانگی، لیکن وہ تو کہئے اللہ کو منظور ہی تھا کہ یہ لڑائی ہو اور اتنے مسلمانوں کی جانیں خاک و خوں میں بیتاب و مضطر نظر آئیں کہ ایک گروہ حضرت علیؓ کے لشکر سے علٰحدہ ہو گیا اور اس نے اہلِ جمل پر شب خون مارا جس کو انہوں نے حضرت علیؓ کے لشکر کی طرف منسوب کیا اور منسوب کرنا ہی چاہئے تھا (اسباب ہی ایسے تھے، صورتِ حال اس کی مقتضی تھی) اور اس طرح وہ جنگ ہو پڑی جو مشیت الٰہیہ میں تھی اور کسی طرح ٹل نہ سکتی تھی، اس میں ذرا شک و شبہ کی گنجائش نہیں کہ حضرت علیؓ نے بہت احتراز کیا اور اُنہوں نے بہت کوشش کی کہ جنگ نہ ہو، لیکن مشکل یہ تھی کہ حضرت علیؓ یہ

یہ چاہتے تھے کہ اہلِ جمل واپس چلے جائیں اور اپنے سارے عزائم کو فسخ کردیں اور اہل جمل کی یہ خواہش تھی کہ حضرت علیؓ کنارہ کشی اختیار کرلیں اور قاتلانِ عثمان کی تلاش میں مزاحم نہ ہوں۔ یہ بھی صحیح ہے کہ اگر حضرت علیؓ کو یہ یقین ہو جاتا کہ اِن کا مدعا صرف اسی قدر ہے تو شاید وہ ہٹ جاتے، لیکن افسوس ہے کہ انہیں ایسا یقین کرنے میں تامل تھا اور ہونا ہی چاہیے تھا جبکہ دشمنوں نے اور مفسدہ پردازوں نے دونوں جانب خوب اچھی طرح آگ لگادی تھی۔ اس لئے واقعات کو دیکھتے ہوئے سوائے اس کے اور کوئی نتیجہ نہیں نکالا جاسکتا کہ غلط فہمیاں دونوں طرف سے ہوئیں۔ لیکن اب ان غلط فہمیوں کو اس قدر وقعت دیدینا کہ وہ مستقل عنوان مذہبی مباحث کے لئے بن جائیں سخت حماقت ہے۔ اگر ہم اس میں ایک طرف طلحہ و زبیر اور حضرت عائشہؓ کی غلطی یا قصور کو تسلیم ہی کرلیں، تو ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ اس ایک قصور یا غلطی کا اثر اُن کی تمام زندگی پر کیونکر پڑ سکتا ہے۔ حضرت طلحہ و زبیر جس پایہ کے معزز صحابی تھے ظاہر ہے اگر اُن کی ساری عمر میں یہ ایک غلطی ہو ہی گئی تو کیا ہم اُن کی تمام فداکاریوں اور اسلام پرستیوں کو یکسر فراموش کردیں گے، اور کیا حضرت عائشہ صدیقہؓ کو اس ایک جنگِ جمل کی وجہ سے (معاذاللہ) ہم اس قابل سمجھ لیں گے کہ اُن کو بُرا کہا جائے، چونکہ ہمارے نزدیک سوائے نبی صلعم کے اور کوئی معصوم نہیں ہوسکتا اس لئے غلطی یا گناہ کا سرزد ہونا کسی دوسرے بشر کی طرف سے مستبعد نہیں ہے

یا اگر دوسرے طرف حضرت علیؓ ہی کی غلطی کو مان لیں تو کیا
اُن کی شان میں کسی قسم کا فرق آ سکتا ہے ۔ ہرگز نہیں،
الاعمالُ بالنیات، نیتیں دونوں فریقین کی اچھی تھیں
اور اس لئے سوائے اس کے کہ اس ناخوشگوار واقعہ کو اسباب
دیگر پر محمول کریں، ہم اور کچھ نہیں کہہ سکتے ۔ یہ آگ دراصل
مروان کی مشتعل کی ہوئی تھی اور جنگِ جمل کے اختتام پر آگ
کہیں بجھی۔ اللہ کو یہی منظور تھا کہ اس طرح ہو، حضرت عثمانؓ کا
زمانہ گو ہر اعتبار سے اچھا رہا، لیکن اس میں کلام نہیں کہ بنو ہاشم
و بنو اُمیہ کی وہ مخالفتیں جو خلیفہ اول و ثانی کے زمانہ میں دب
گئی تھیں ضرور اُن کے زمانہ میں اُبھریں اور یہ نتیجہ تھا حضرت
عثمانؓ کی حلم و بردباری کا جو باعثِ فساد ہوا۔ اس کا علاج
نہ حضرت علیؓ کے پاس کچھ تھا اور نہ اس پُر جوش گروہ کے
اثرات سے حضرت عائشہؓ طلحہ و زبیر بچ سکتے تھے ۔ وہ
لوگ جو اصل باعث شر و فساد تھے حیلہ و بہانہ کے متلاشی تھے
اور اپنے پُرانے بغض کو نکالنے کے لئے ایک آڑ تلاش
کرتے تھے، سو وہ اُنہیں مِل گئیں، وہ لوگ جو حضرت
عثمان سے جلتے تھے اور جن میں بنو ہاشم زیادہ تھے حضرت
علیؓ کے طرفدار ہو گئے ۔ حالانکہ حضرت علیؓ کو یہ مطلق علم نہ
تھا کہ اصل مدعا ان لوگوں کا کیا ہے اور وہ کونسی غرض ہے
جو اِن کو میری طرف کھینچ لائی ہے ۔ اسی طرح وہ لوگ جو حضرت
علیؓ سے عناد رکھتے تھے اور جن میں بنی اُمیہ زیادہ تھے،

اہل جمل سے مل گئے، حالانکہ نہ حضرت عائشہ رض کو یہ علم تھا اور نہ طلحہ وزبیر کو کہ اِن لوگوں کا حقیقی مدعا کیا ہے اور وہ کیوں ہمارے طرفدار ہو گئے ہیں۔ جنگِ جمل کے بعد جب حضرت عائشہ صدیقہ مدینہ تشریف لے گئیں تو پھر انہیں اس کا کچھ خیال بھی نہ رہا اور جب تک آپ زندہ رہیں ہمیشہ اس واقعہ پر اظہار تاسف کرتی رہیں۔ اور پھر کبھی آپ نے معاملاتِ سلطنت میں دخل نہیں دیا۔ وہ لوگ جو اس واقعہ پر حضرت عائشہ صدیقہ رض کو صرف اس وجہ سے ملزم ٹھیراتے ہیں کہ وہ ناحق حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے برسرِ پیکار ہوئیں اُن کو یہ امر فراموش نہ کرنا چاہیئے کہ صرف جنگِ جمل کافی وجہ اس بات کی نہیں ہو سکتی کہ اُن کا عناد اہلِ بیت سے ثابت کر دیا جائے۔ کیونکہ اگر وہ تاریخ کو اُٹھا کر دیکھیں گے تو اُنہیں معلوم ہو جائے گا کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی شہادت اُنہیں کے زمانہ میں واقع ہوئی تھی اور اس کے بعد اگر اُنہیں کچھ عناد ہوتا تو وہ کر سکتی تھیں، لیکن جب معاویہ نے امام حسن علیہ السلام کو بیعت کے لئے طلب کیا اور چند شامی سپاہیوں نے امام حسنؑ کے ساتھ گستاخی کی تو حضرت عائشہ صدیقہ نے امیر معاویہ کو بلا کر خوب ڈانٹا۔ کیا اس سے زیادہ ثبوت محبت اہل بیت کا اور کوئی ہو سکتا ہے +

باب ہشتم

حضرت عائشہ صدیقہ کی کل عمر ۶۶ سال کی ہوئی اور ۵۸ھ میں رمضان کی سترھویں تاریخ کو آپ کا وصال ہوا۔ جب وفات کا وقت قریب آیا تو لوگوں نے آپ سے دریافت کیا کہ آپ کو روضۂ مبارک میں دفن کریں یا رسول اللہ صلعم کے مزار مبارک کے ساتھ، آپ نے فرمایا میں اس قابل نہیں، مجھ کو بقیع میں دفن کرنا۔ قریب وفات کے آپ کی عجز و انکسار کا یہ عالم تھا کہ آپ دعا فرماتی تھیں کہ کیوں نہ میں درخت ہوئی کہ لوگ مجھے کاٹ ڈالتے، کیوں نہ میں خاک ہوئی، کاش میں پیدا نہ ہوئی ہوتی۔ ایک شخص نے آپ سے پوچھا کہ کب میں اپنے تئیں نیک سمجھوں، آپ نے جواب دیا کہ جب تو اپنے تئیں بُرا سمجھنے لگے۔ آپ اکثر تلاوتِ کلام مجید میں اپنا وقت صرف کیا کرتی تھیں اور ہر وقت ذکر و شغل آپ کا مشغلہ تھا۔ ایک مرتبہ آپ کلام مجید پڑھ رہی تھیں کہ اس آیت پر نگاہ پڑی وآخرون اعترفوا بذنوبہم خلطوا عملاً صالحاً وآخر سیئاً۔ یہ پڑھکر آپ نے فرمایا کہ میں اسی ذیل میں ہوں۔ آپ کی نمازِ جنازہ ابو ہریرہ رضؓ نے پڑھائی، اور رات ہی کو بقیع میں آپ مدفون ہوئیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ❊

٣١٦٢

~~[illegible]~~

عائشه صديقه

عائشہ صدیقہ رضؓ

یعنی

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ کے سوانح زندگی



مزار حضرت عائشہ صدیقہ رض

مؤلفہ

مولانا نیاز محمد خاں صاحب نیاز فتح پوری

جو

قلم الفقراء ملک محمد الدین صاحب اڈیٹر رسالہ صوفی و زمیندار

پنڈی بہاؤ الدین ضلع گجرات پنجاب کیلئے

اسلامیہ سٹیم پریس لاہور میں چھپے

موت کے بعد اور قیامت سے پہلے

اِنسان پر کیا حالت گذرتی ہے اُسکی مفصل کیفیت اگر آپ ملاحظہ فرمانا چاہتے ہیں تو بولیتی اک ایک جلد

برزخ

طلب فرمایئے اس میں بحوالہ اسناد قرآن مجید و حدیث شریف نبوی صلعم وہ تمام باتیں درج ہیں جن کا جاننا ہر ایک مسلمان کیلئے باعث ازدیاد و تکمیل ایمان ہے۔ یہ کتاب سید محمد شاہ صاحب سابق ایڈیٹر اخبار آبزرور لاہور و الحق سندھ کی عرصہ دراز کی محنت و جانکاہی کا ثمرہ ہے۔ صاحب موصوف علیگڑھ کالج کے ہونہار نوجوان ہیں جنہوں نے بی۔ اے تک تعلیم پائی ہے ایک کامیاب دنیوی زندگی اور دنیاوی جاہ و جلال عیش و ثروت سے آپکی طبیعت ایسی اچاٹ ہوئی کہ تمام تعلقات دنیا کو خیرباد کہدیا اور گیرُوے کپڑے اوڑھکر حضرت نظام الدین اولیا محبوب الٰہی قدس سرہٗ کی مزار مبارک پر معتکف ہوگئے حضرت محبوب الٰہی کے قرب نے آپکے آئینہ دل کو وہ جلا دیا جس کی تعریف الفاظ میں ادا کرنا مشکل ہے یہ کتاب اُس نورانی جلوہ کا عکس ہے جو فلسفہ جیسے ایک ماہر نے قرآن و حدیث کی چاشنی دیکر لکھی ہے گویا یہ ایک معجون مرکب ہے جس کی ایک خوراک ہی نئی تعلیم کا سوداوی مادہ نئی روشنی والوں کی بگڑی ہوئی طبائع سے نکالکر ان کو بالکل صاف کر دیتی ہے۔ جیسا کتاب کا مضمون ہے ویسا ہی کاغذ اور چھپائی میں خاص اہتمام کیا گیا ہے باوجود ان تمام خوبیوں کے قیمت صرف ۱۲ ؍ علاوہ محصول ہے۔ حصول برکات و تازگی ایمان کیلئے ایک نسخہ ہر ایک مسلمان کو مطالعہ کرنا چاہیئے

حیاتِ داغ ملک الشعراء و جہان اُستاد مرزا داغ دہلوی کے باتصویر حالات زندگی قیمت ۶ ؍

حیاتِ حالی شمس العلما مولانا الطاف حسین صاحب حالی کے باتصویر حالات زندگی۔ قیمت .. ۶ ؍

یادِ رفتگان اس کتاب میں شہر لاہور کے خصوصاً اور پنجاب کے عموماً جملہ اولیائے کرام و صوفیائے عظام کے حالات نہایت شرح و بسط کے ساتھ درج کئے ہیں۔ ڈاکٹر محمد اقبال صاحب ایم اے اور خواجہ حسن نظامی صاحب مصور فطرت دہلوی نے از حد پسند کیا ہے۔ قیمت .. ۱۲ ؍

الوارث حضرت حاجی سید وارث علی شاہ صاحب کے حالات زندگی۔ قیمت ۸ ؍

حیاتِ ابدی حضرت رابعہ بصری کے حالات زندگی۔ قیمت .. ۴ ؍

مولانا روم حضرت مولانا روم کے حالات زندگی۔ قیمت ۱۲ ؍

حیاتِ عائشہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی کے حالات زندگی۔ قیمت .. ۱۲ ؍

[حیا]تِ امام مسلم حضرت امام مسلم کے حالات زندگی۔ قیمت ۴ ؍

حیاتِ امام مالک حضرت امام مالک کے حالات زندگی۔ قیمت ۲ ؍

[خدا]شناسی تصوف کی بےنظیر و لاجواب کتاب ہے۔ خداشناسی و خدارسی کا رہبر۔ قیمت ۶ ؍

ملنے کا پتہ

[منیجر] آبحیات ڈاکخانہ صوفی آبحیات پنڈی بہاؤالدین ضلع گجرات

۷۸۶

خانۂ رسولؐ کے راز و نیاز

محبت کے راز و نیاز کی معاملہ بندیاں شاعروں نے بہت سی لکھیں۔ زمین آسمان کے قلابے ملائے۔ مگر خانہ داری کی الفتوں کا اُن کو کیا مزا۔ جو درختوں اور جانوروں کی مثالوں میں جذبات عشق تلاش کرتے ہیں۔ کوئی کہتا ہے سرو نے قمری کے دل کو جلایا لہٰذا پھل سے محروم رہا۔ کوئی بولا گل نے بلبل کو ستایا۔ اس لئے پژمردہ ہو کر کملایا۔ کسی نے شمع و پروانہ کے سوز و گداز پر آنسو بہائے۔ آؤ اپنے رسول صلے اللہ علیہ وسلم کے خانگی راز و نیاز کو سُنیں۔ اور اپنے گھروں میں اس محبت کا رواج دیں،

ذیل کا قصہ حدیث سے اخذ کر کے لکھا جاتا ہے:۔

رسول خدا (حضرت عائشہؓ سے مخاطب ہو کر) ہم جان لیتے ہیں کہ آج تم ہم سے خوش ہو یا ناراض،

حضرت عائشہؓ:۔ کیونکر، میں قربان ہو جاؤں۔ ذرا بتایئے تو،

رسول خدا:۔ جب تم ہم سے خوش ہوتی ہو۔ تو یوں قسم کھاتی ہو۔ محمدؐ کے خدا کی قسم، اور جب ناخوش ہوتی ہو۔ تو کہتی ہو۔ ابراہیمؑ کے خدا کی قسم،

حضرت عائشہؓ (متبسم ہو کر) ہاں یا رسول اللہ! خفگی میں آپ کا نام چھوڑ دیتی ہوں نہ کہ آپ کو،

اس راز و نیاز میں جو پاکبازانہ لطف ہے وہ اہل محبت سے مخفی نہیں۔ کونسا گھر ہے جہاں رنجشیں پیدا نہیں ہوتیں۔ مگر رنج ہو تو بس اتنا کہ فریقین اپنے جذبات اشاروں کنایوں میں ادا کر کے جی کی بھڑاس نکال لیں۔ نہ یہ کہ توڑ پھوڑ اور اکھاڑ پچھاڑ کر بیٹھیں +

{حسن نظامی از درگاہ حضرت محبوب الٰہی دھلی}

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دیباچہ

نازم آں حسنِ بیاں را کہ بہ معنیٰ نازد
دانم آں شیوہ بیاں را کہ بہ اینہا نازد

ہندوستان کی وہ بدنصیب عورتیں جنہوں نے آغوش جہالت میں آنکھ کھولی، کنار غفلت میں پرورش پائی، بیچاری کیا جانیں کہ اسی دنیا میں کچھ عورتیں ایسی بھی ہو چکی ہیں جن پر دنیا آجتک ناز کر رہی ہے اور قیامت تک فخر کرتی رہے گی،

ہمارے لٹریچر میں ایک بہت بڑی کمزوری یہ بھی ہے کہ اُن خواتین کیحالات سے خالی ہے جن کے حالات جس طرح صدیوں پہلے قابل تقلید تھے اُسی طرح آج صدیاں گذر جانے کے بعد بھی قابلِ پذیرائی ہیں۔ یہاں تو یہ حال ہے کہ آنکھ کھولی تو گھر میں ماں باپ کو مغربی تہذیب کا دلدادہ پایا۔ مغربی تواریخ سے الماریاں پٹی ہوئی ہیں۔ بھائی "مس الزبتھ" کے افسانۂ رنگین سے لب آشنا ہے، باپ "لیڈی اسمتھ" کی داستانوں پر فدا ہے۔ اُن کی آزادی و آزاد خیالی کی کہانیاں راتوں کو پڑھی جا رہی ہیں۔ دن کو سنی جا رہی ہیں۔ غریب عورتیں کیونکر جان سکتی ہیں کہ دنیائے اسلام میں بھی کوئی ایسی لطیف الحال خاتون گذری ہے یا نہیں جس کی لائف پڑھکر

دل تقلید کی طرف مائل ہو اُنھیں نمونہ کی طرف متمائل ہوجائیں،

مسلمان خواتین ہندوستان کو جو مزہ اصغری اکبری کی من گڑھت کہانی میں آتا ہے۔ وہ کسی میں نہیں آتا۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ ہمارے اُدبا نے اُنہیں برے سے جھوٹی سچی کہانیاں پڑھنے کا عادی کر دیا ہے۔ اُنہیں مبالغہ میں جو لطف آتا ہے وہ سچی بات میں نہیں آتا۔ ہم پوچھتے ہیں کہ کیا اسلام میں کوئی ایسی مبارک خاتون نہیں گذری ہے جس کے سچے کارنامے ہماری معصوم عورتوں کے سامنے بغرض تقلید پیش کئے جاویں اور اُس کا نمونہ بننے کے لئے اُن سے اصرار کیا جائے ؟

ہاں گذری ہے۔ ضرور گذری ہے۔ ایک یہی جنابہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہیں۔ جن کی سیرت آج آپکے سامنے موجود ہے اُن کے حالات پڑھنے اور اُن پر غور کرنے سے آپ اور آپکی عورتیں، بہو بیٹیاں سب سمجھ سکتی ہیں کہ ایک دیندار عصمت مآب، عفت کوش، مطیع شوہر اور عابدہ زاہدہ عورت کیلئے سامان تہذیب میں کون کون سی باتیں ضروری و لازمی ہیں،

خدا بھلا کرے قلم الفقرا ملک محمد الدین صاحب کا جنھیں یہ کمی اُردو لٹریچر میں محسوس ہوئی اور زرِ کثیر صرف کر کے اس خاتون مقدس کی سیرۃ لکھوائی جو عورتونکو تو اس لئے مفید ہے کہ وہ صاحبہ سیرۃ کی جنس اور صنف سے ہیں اور مردوں کیلئے اسواسطے ضروری ہے کہ اُن کے نبی برحق اور رسُولِ مطلق کی زوجہ محترمہ کی سچی اور بے مبالغہ سوانح عمری ہے،

میں جانتا ہوں کہ مغربی لٹریچر کی سادگی اور پیرایہ بیان مانی ہوئی ہے لیکن مجھے اس کا بھی اعتراف ہے کہ اُردو لٹریچر میں کچھ خوبیاں مغربی لٹریچر سے زیادہ ہیں وہاں پیرایہ بیان ایجاز و اختصار سے گنجلک اور سہل ممتنع ہو جاتا ہے

حاصل کر لی جاتی ہیں مگر اُردو لٹریچر کی نزاکتیں ایک ذکی الفہم بچّہ بھی بخوبی سمجھ سکتا ہے،
میں اگر امتثالِ امر کے لئے کچھ فقرے جمع کروں گا تو مجھے خوف ہے کہ اپنے مبحث
سے دور جا پڑوں گا۔ اس لئے میں جو کچھ کہنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ ہمارے
لٹریچر کو کسی زبان کا لٹریچر پا نہیں سکتا، اس میں اور دوسری زبانوں کے
لٹریچر میں مشرق و مغرب کا فرق ہے۔ جب چاہے امتحان کر لیجئے،

مجھے تو مولانا محمد الدین صاحب قلم الفقرا کے انتخاب پر رشک آتا ہے کہ
اس سیرۃ مقدسہ کی ترتیب و تدوین کیلئے منتخب کیا تو کس کو؟ مولانا نیاز
فتچوری کو! سُبحان اللہ! وہ نیاز جس کی چٹکیاں ادب العالیہ میں بے حس
جسموں کو بھی گدگدا دیتی ہیں اور جسے صنفِ نازک کی فطرت و عادت کی مصوّری
میں مانی و بہزاد سے زیادہ ید طولیٰ حاصل ہے، جنس لطیف کا ذکر آ جائے
پھر اُن کی لطیف الخیالی اور نزاکتِ بیان دیکھئے، ؎

پھر دیکھئے اندازِ گل افشانیٔ گفتار　　رکھدے کوئی پیمانۂ صہبا مرے آگے

ہر شخص کا حصہ نہیں ہے کہ وہ ایسی لطیف سیرۃ اس قدر لطفِ زبان
و بیان کے ساتھ ترتیب دے سکے، "جس کی بات اُس کے ساتھ" اور
"ہر کسے را بہر کارے ساختند" بالکل صحیح ہے، ؎

ہزاروں سے سنے یہ لفظ لیکن لفظ تھے خالی
تمہاری بات کی شوخی تمہاری ہی زباں تک ہے

ملک صاحب کا تقاضا تھا کہ میں اس سیرۃ کا دیباچہ لکھوں، میرے
لئے گو باعث انفعال و ندامت تھا اور میں اپنے عجز طبیعت سے اچھی طرح
واقف تھا مگر ساتھ ہی کچھ ایسا ناگزیر ہوا کہ اُلٹے سیدھے چند فقرے لکھنے

ہی پڑے، مولانا نیاز ہنسیں گے کہ اُن کی قادرالکلامی کا تعارف ایک ایسے ہیچمدان کی قلم سے کرایا گیا جو کسی طرح اس کے قابل نہ تھا اور میں خوش ہوں کہ اسی حیلۂ محجوب سے مجھے جنابہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی سیرۃ میں ایک حصہ یادگار مل گیا۔ اور میرے ہذیانات کو صدیقہ عرب کے مقدس حالات سے ایک قسم کی وابستگی حاصل ہو گئی جو میری نجات بعد ممات کے لئے کافی ہے، ؎

شنیدم کہ در روز امید و بیم
بداں را بہ نیکاں بہ بخشد کریم

میری دُعا ہے کہ خدا اس سیرۃ کو صاحبۂ سیرۃ کی طرح مقبول فرمائے اور ملک صاحب کو اس کار خیر کا اجر نیک دے +

آگرہ۔ کیسر باغ۔ ۱۰ محرم ۱۳۳۵ھ } سیماب۔ صدیقی الوارثی اکبرآبادی

اللہ اللہ کیا ہے شانِ عائشہؓ

(از چوہدری دِلّو رام صاحب کوثری قصبہ نانڈری ضلع حصار)

عائشہؓ دیباجۂ صدق و یقیں — طاہرہ۔ صدّیقہ۔ اُمّ المومنین
بنتِ صدّیق اور صدّیقہ ہے وہ — صدق بھی کرتا ہے اُس پہ آفریں
پاکرہ ازواجِ احمدؐ میں وہ ایک — اور کو عزّت نصیب ایسی نہیں
ہمدم و ہمراز و ہمخواب رسولؐ — ہمسرِ حفصہؓ۔ پدرؓ (ابوبکرؓ) کی نازنیں
پیار سے اُس کو حمیرا گاہ گاہ — خود کہا کرتے تھے ختم المرسلیں

جس کا شوہر ہو حبیبِ ذوالجلال — جس کا شوہر ہو شہِ دنیا و دیں
جس کا شوہر انبیا کا تاج ہو — جس کا شوہر خلق سے ہو بہتریں
جس کے شوہر پر نبوت ختم ہو — جس کے شوہر کا ہو قرآنِ مبیں
جس کا شوہر صاحبِ معراج ہو — جس کا شوہر ہو شہِ گردوں نشیں
جس کا شوہر بانیِ اسلام ہو — جس کا شوہر بخش دے خُلدِ بریں
جس کا شوہر ہو شفیعِ عاصیاں — جس کا شوہر ہو کفیلِ متقیں
جس کے شوہر کو کرے مجرا فلک — جس کا شوہر ہو شہنشاہِ زمیں
جس کا شوہر ہو کریم ابنِ کریم — جس کے شوہر سے ہوں خوش اندوہگیں
جس کا شوہر فاطمہؑ کا باپ ہو — جس کا شوہر ہو جہاں میں حق گزیں

جس کے شوہر کی ہو بیٹی ایسی پاک — ہو نہ جس کو لوثِ رجسِ ماو طیں

جس کے شوہر کا علیؓ داماد ہو — وہ علیؑ جو حافظِ شرعِ متیں

جس کے شوہر کے نواسے ہوں شہید — وہ نواسے جو غریب و دل حزیں

جس کے شوہر پہ ہو نازل وحیِ حق — جس کا شوہر ہو دمِ روح الامیں

جس کا شوہر فتحمندِ دہر ہو — جس کے شوہر سے ڈریں خاقانِ چیں

جس کے شوہر کا ہو سکّہ تا ابد — جس کے شوہر کے ہو سب زیرِ نگیں

جس کے شوہر کی اذاں کا شور ہو — جس کے شوہر کا ہو ڈنکا ہر کہیں

جس کا شوہر دشت کو کر دے چمن — جس کا شوہر ہو گُلِ باغِ یقیں

جس کا شوہر کفر کو کر دے نہاں — جس کا شوہر محو کر دے بغض و کیں

جس کے شوہر کا ثناخواں ہو خدا — وصف اُس بی بی کا۔ اور میں کمتریں

توبہ توبہ کوثری لاحول پڑھ — خندہ زن اِس فعل پر ہیں اجمعیں

دعویٔ توصیفِ صدیقہؓ نہ کر — چھوڑ دے لاف و گزاف اے نکتہ بیں

تو نے لکھے ہیں قصیدے اور اور — خاص تعریفیں نہیں اب تک سُنیں

اللہ اللہ کیا ہے شانِ عائشہؓ — طاہرہ ہے اور اُمّ المؤمنیں

کوثری تو نے لکھی نظمِ عجیب

بطن میں بھی ہے ثناخواں ہر جنیں



مسجد تنعیم یا مسجد عائشہ صدیقہؓ۔ یہاں حاجی لوگ عمرہ باندھتے ہیں

مکہ معظمہ سے تین کوس جانب شمال

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا

باب اوّل

حضرت عائشہ کی ولادت وسلسلۂ نسب

عائشہ نام، کنیت اُم عبد اللہ، لقب صدیقہ، سنہ پیدایش ہجرت نبوی سے ۹ سال پہلے اور بعض روایات کے لحاظ سے ۱۰ سال قبل۔ آپ کے والد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ خلیفہ اوّل تھے اور آپ کی والدہ اُم رومان کی کنیت سے مشہور تھیں۔ چونکہ حضرت ابو بکر صدیق کا سلسلۂ نسب چھ واسطوں سے رسُول اکرم صلعم سے ملتا ہے اور آپ کی والدہ اُم رومان عامر بن عویمر کی صاحبزادی تھیں جو سات واسطوں سے اپنا سلسلۂ نسب کنانہ سے رکھتے تھے اس لئے اُم المومنین حضرت عائشہ باپ کی طرف سے قریشیہ تھیں اور ماں کی طرف سے کنانیہ لیکن چونکہ فہر سے قبل اس سلسلہ کے تمام قبائل کنانہ کے لقب سے مشہور تھے اور فہر کے زمانہ سے یہ سب قریش کہلائے جانے لگے اس لئے حضرت عائشہ کے سلسلۂ نسب میں کوئی پدری و مادری تفریق بھی ایسی

نہیں کی جا سکتی ۔

حضرت عائشہ کی تربیت خاص اہتمام سے ہوئی۔ آپ کے والد حضرت ابوبکر صدیق ہجرتِ نبوی سے ۱۳ سال قبل یا اُم المومنین کی ولادت سے ۴ سال پیشتر جبکہ سالِ نبوت کا آغاز ہی تھا رسول اللہ پر ایمان لا چکے تھے اور چند دن بعد حضرت عائشہ کی والدہ اُم رومان بھی مشرف باسلام ہو چکی تھیں اس لئے اس بات کے یقین کرنے میں مطلق شائبہ وشک وشبہ نہیں کہ حضرت اُم المومنین نے اس دنیا میں آتے ہی اسلامی آغوش میں جگہ پائی اور آپ کی زندگی کا کوئی لمحہ ایسا نہیں گذرا جو حالتِ کفر میں بسر ہوا ہو۔ آپ اپنے والدین کی اکلوتی صاحبزادی نہ تھیں بلکہ کئی بھائی بہن رکھتی تھیں۔ اس لئے کوئی وجہ نہ تھی کہ آپ کی پرورش خصوصیت کے ساتھ غیر معمولی محبت اور پیار سے ہوتی، مگر جوں جوں آپ ہوش سنبھالتی گئیں آپ کی فطری ذہانت، جودتِ طبع، تہذیب ومتانت، بلند نظری، عالی حوصلگی اور خداداد حُسنِ صورت و سیرت نمایاں ہوتی گئی اور یہ وہ خصوصیت تھی جس نے آپ کو تمام بھائی بہنوں سے ممتاز کر دیا اور آپ کے والدین غیر معمولی توجہ سے آپ کی تربیت و پرورش کا خیال رکھنے لگے، جس کا کھلا ہوا نتیجہ یہ ہونا تھا کہ آپ اپنے اور بھائی بہنوں سے بڑھ جائیں اور ایسا ہی ہوا ۔

حضرت عائشہ کا نکاح آنحضرت ؐ سے۔ آپ ابھی ۶ سال کی تھیں اور بعض روایات کی رُو سے ۷ سال کی عمر تھی کہ ہجرت الی المدینہ سے ۳ سال قبل آپ کا نکاح آنحضرت صلعم سے ہو گیا۔ اس کی تفصیل یوں ہے، کہ جب رسول اللہ صلعم کی اوّل بیوی اُم المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ہو گیا تو آنحضرت کو سخت صدمہ پہنچا اور صدمہ کی بات ہی تھی

کیونکہ کفارِ مکہ کا بغض عناد جو آنحضرت کے ساتھ سخت دشمنی کی صورت اختیار کرتا جاتا تھا، صرف آپ کے چچا ابو طالب اور بی بی خدیجہؓ کی وجہ سے زیادہ ظاہر نہ ہونے پاتا تھا، لیکن جب ان دونوں کا تھوڑے تھوڑے دنوں کے وقفہ سے انتقال ہوگیا تو کفارِ مکہ کے لئے کوئی وجہ مانع نہ تھی کہ وہ اب کھلم کھلا اپنے کینوں اور اپنی عداوتوں کا اظہار نہ کرتے انہوں نے اب جی کھولکر رسول اللہ اور غریب نومسلموں کو ستانا شروع کیا۔ اور رسول اللہ کو اس لئے حضرت خدیجہؓ کے انتقال سے نہ صرف یہ افسوس ہوا کہ ایک پُرخلوص ہمراز و ہمدم اُٹھ گیا، بلکہ اس وجہ سے اور بھی زیادہ غم ہوا کہ اُن کے سبب جو یہ مشرکین مکہ کچھ دبے ہوئے تھے وہ بالکل آزاد ہوگئے اور اب کوئی ذات ایسی باقی نہ رہی جس کی وجاہت و امارت ان کو ابھرنے نہ دیتی۔ بہرحال رسول صلعم ایک مدت تک انہیں ہموم میں بتلا رہے اور کوئی صورت مضر کی نظر نہ آئی، ایک دن مخالفین اسلام نے آپ کو سخت تکلیفیں پہنچائیں اور آپ پریشان رات کو گھر واپس تشریف لائے اور بی بی خدیجہؓ کی دلداریاں اور غمخواریاں یاد کرنے لگے، صبح کو حکیم بن الاقص کی بیٹی، عثمان بن مظعون مشہور صحابی کی بیوی خولہ آپ کے پاس آئیں اور عرض کی کہ "اے رسول اللہ، آپ کوئی نکاح کیوں نہیں کر لیتے؟" آنحضرت نے کہا کہ "کہاں اور کس سے کروں؟" خولہ نے جواب دیا کہ "یہ آپ کے اختیار میں ہے چاہے آپ کسی کنواری سے شادی کریں چاہے کسی بیوہ یا مطلقہ سے، دونوں ممکن ہیں" آنحضرت نے فرمایا کہ "مجھے بتاؤ وہ کون کون ہیں" خولہ نے کہا کہ:- "کنواریوں میں تو ایک ابو بکرؓ کی بیٹی عائشہؓ ہے۔ اور بیوہ عورتوں میں زمعہ کی بیٹی سودہ ہے، اور ان دونوں کے حقوق آپ پر ہیں

ابو بکر شروع سے آپ کے رفیق وہمدم رہے ہیں اور سودہ بھی مدت سے
حضور کے فرمانبرداروں میں شمار ہوتی ہیں" آنحضرت نے فرمایا کہ:- "اچھا
جاؤ اور ابو بکرؓ و زمعہ سے ذکر کرو"۔ خولہ بہت خوش خوش پہلے حضرت
ابو بکرؓ کے مکان پر پہنچیں، آپ مکان پر موجود نہ تھے اس لئے اُم رومان
حضرت عائشہؓ کی والدہ سے کہا کہ "وہ کیا ہے" تب خولہ نے بیان کیا کہ "
"مجھے رسول اللہ نے اس لئے بھیجا ہے کہ اُن کی طرف سے تمہاری بیٹی عائشہؓ
کے لئے پیغام دوں" اُم رومان نے تعجب سے جواب دیا کہ:- "یہ کیونکر ممکن
ہے ابو بکرؓ رسول اللہ کے دینی بھائی ہو چکے ہیں اور اس لئے رسول اللہ
عائشہؓ کے چچا ہوئے، پھر چچا بھتیجی کا رشتہ کس طرح ہو سکتا ہے، مگر ذرا
تم ٹھیرو، عائشہؓ کے باپ بھی آجائیں تو میں ان سے مشورہ کر کے کوئی جواب
دوں" اتنے ہی عرصہ میں حضرت ابو بکر صدیق بھی باہر سے تشریف لے
آئے اب خولہ نے ان سے بھی وہی کہا جو اُم رومان ان کی بیوی سے
کہا تھا اور انہوں نے بھی متعجب ہو کر وہی کہا کہ یہ رشتہ کیونکر ہو سکتا
ہے خولہ رسول اللہ کے پاس واپس گئیں اور سارا ماجرا آپ سے کہا
آنحضرت ؐ نے جواب دیا کہ ابو بکر میرے دینی بھائی ہیں نہ کہ قرابتی اور
اس صورت میں نکاح جائز ہے۔ خولہ نے جا کر پھر رسولؐ کے قول کو حضرت
ابو بکرؓ و اُم رومان کے سامنے نقل کیا چنانچہ حضرت ابو بکرؓ نے فوراً رسول اللہ
کو بلا کر اپنی بیٹی عائشہؓ کا نکاح آپ سے کر دیا، مگر چونکہ آپ کی عمر ابھی بہت
کم تھی یعنے زائد از زائد ۷ سال کی، اس لئے آپ رخصت نہیں کی گئیں
صرف نکاح ہو گیا اور جب ہجرت اِلے المدینہ کے ایک سال بعد حضرت
عائشہؓ کی عمر ۹، ۱۰ سال کی ہو گئی اُس وقت آپ رخصت کر دی گئیں،

رسول اللہ صلعم کی تمام ازواجِ مطہرات میں صرف آپ ہی کنواری تھیں، ورنہ باقی سب مطلقہ یا بیوہ تھیں جن سے بعد کو آپ نے نکاح کیا +

باب دوم

حضرت عائشہ کے نکاح کے متعلق مخالفین کے اعتراضات اور اُن کے مدلّل جوابات

اُس شخص کے لئے جو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے سوانح عمری لکھے خواہ وہ مختصر ہوں یا بسیط اُس کا صرف یہی فرض نہیں ہے کہ وہ آپ کے حالاتِ زندگی کو پیدا ہونے کے وقت سے اِلیٰ یومِ الارتحال یکے بعد دیگرے شمار کرا دے، بلکہ سب سے زیادہ ضرورت اس امر کی ہے کہ جو جو اعتراضات آپ کی زندگی پر موافق یا مخالف گروہ نے کئے ہیں اُن کو ذکر کرے اور اُن کا معقول رد کرے۔ ورنہ ایسی تاریخ جو اُن امور سے بحث نہیں کرتی ہرگز مکمل تاریخ نہیں کہی جا سکتی ہم اس مختصر تصنیف میں اس بات کی کوشش کریں گے کہ وہ تمام اعتراضات اپنے اپنے محل سے درج کئے جائیں اور اُن کا جواب معقول و مدلّل پیش کریں، اس لئے قبل اس کے کہ ہم حضرت عائشہ صدیقہ رض کے مزید حالات لکھیں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ سب سے پہلے اُس اعتراض کا ذکر کریں جو آپ کے نکاح کے متعلق کیا جاتا ہے اور اُس پر معقول تبصرہ کریں۔ وما توفیقی الا باللہ العظیم +

وہ اعتراض جو متعلق نکاح حضرت عائشہ کیا جاتا ہے کوئی طویل

وجہ جدید نہیں ہے بلکہ نہایت مختصر اور بہت پُرانا ہے اور وہ یہ کہ نبیؐ کی
شان بہت بعید ہے کہ ایسی کمسن لڑکی سے نکاح کرے اور اس اعتراض
سے مدعا صرف آنحضرت صلعم کے کیرکٹر کو داغدار دکھانا ہے لیکن اسی
ضمن میں چند اعتراضات اور بھی کئے جاتے ہیں جن سے مقصود براہِ راست
حضرت عائشہؓ کے اخلاق پر حملہ کرنا ہے اور وہ یہ ہیں کہ انہوں نے خود اپنی
زبان سے اُن تعلقات کا ذکر کیا جو رسُول اللہ صلعم کے ساتھ تھے، حالانکہ
ایک خاتون کے لئے یہ شرمناک بات ہے اِن اعتراضات کا ماخذ وہ روایات
ہیں جو حضرت عائشہؓ کی طرف منسوب کی جاتی ہیں اور جنہیں انہوں نے ظاہر
کیا ہے کہ :-

(۱) میں رسُول اللہ صلعم کی ساری ازواج میں کئی وجہ سے ممتاز ہوں
ایک تو یہ کہ ساری بیویوں میں میں ہی بن بیاہی آئی تھی، دوسرے میرے
ماں باپ گروہِ مہاجرین میں سے تھے، تیسرے جب مجھ پر الزام لگایا گیا تو
میری برات میں اللہ نے وحی نازل فرمائی، چوتھے جب میری شادی نہیں
ہوئی تھی تو جبرئیل نے میری تصویر رسُول اللہ صلعم کو دکھا کر نکاح کرنے کی
ترغیب دی، پانچویں میں اور رسُول اللہ صلعم دونوں ایک ہی برتن میں نہاتے
تھے اور کسی بیوی کے ساتھ ایسا نہیں ہوُا، چھٹے رات کو رسُول اللہ صلعم نماز
پڑھتے ہوتے تھے اور میں سامنے لیٹی ہوتی تھی، ساتویں کسی بیوی کے ہاں
وقتِ خواب رسُول اللہ صلعم پر نزول وحی نہیں ہوُا حالانکہ میرے ہاں
کبھی کبھی ایسا ہوا ہے، آٹھویں رسُول اللہ صلعم کا جب وصال ہوا تو سرِ مبارک
میرے زانو پر تھا، نویں جس رات رسُول اللہؐ کا وصال ہوا وہ میرے مکان
میں رہنے کی رات تھی، دسویں آپ میرے ہی حجرہ میں مدفون ہوئے +

(۲) جب میرا نکاح ہوا میری عمر ۶ سال کی تھی اور جب میں رخصت کی گئی تو میں ۹ سال کی تھی، میرا مہر ۵۰۰ درہم تھا +

(۳) علاوہ اس کے اور بہت سی روایتیں ہیں جن کا مفہوم یہی ہے کہ سب بیویوں سے زیادہ محبت حضرت عائشہ رضؓ ہی کے ساتھ تھی اور رسول اللہؐ کی نگاہ میں آپ کا خاص احترام تھا +

الغرض اس وقت دو اعتراض ہمارے پیش نظر ہیں ایک تو یہ کہ رسول اللہ صلعم نے کیوں ایسی کمسن لڑکی سے نکاح کیا اور دوسرے یہ کہ حضرت عائشہ رضؓ نے اُن تعلقات کا اظہار اپنی زبان سے کیوں کیا جو رسول اللہؐ کے ساتھ تھے۔ سب سے پہلے ہم اعتراض اوّل کے متعلق اپنے خیالات کا اظہار کرنا چاہتے ہیں:۔

کسی شخص کا کمسن لڑکی سے نکاح کر لینا، ہماری سمجھ میں یہ بات نہیں آتی کہ کیوں معیوب ہے اور اس سے رسول اللہ صلعم کے کیرکٹر پر کیا خراب اثر پڑ سکتا ہے، اگر یہ کہا جائے کہ اس سے بدنیتی یا غلبۂ شہوت کا اظہار ہوتا ہے تو اس سے زیادہ مہمل و لغو اعتراض کوئی ہو ہی نہیں سکتا کیونکہ قطع نظر اس امر سے کہ ایسی کمسن لڑکی سے نکاح کرنا غلبہ شہوت کا کوئی ثبوت نہیں ہے (اور جس کی تائید میں ہر شخص کا تجربہ پیش کیا جا سکتا ہے) دیکھنے کی بات یہ ہے کہ جس وقت رسول اللہ صلعم نے حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ سے نکاح کیا ہے اُس وقت رسول اللہ صلعم کی کیا عمر تھی اور کیا اس سے پہلے رسول اللہ صلعم کو (معاذ اللہ) یہ موقع حاصل نہ تھے کہ وہ اس خواہش کو اچھی طرح پورا کر سکتے، سو اس کے متعلق غالباً یہ عرض کرنا کافی ہوگا کہ جس وقت رسول اللہ صلعم نے حض...

نکاح کیا ہے اس وقت آپ کی عمر پچاس سال کی تھی جو زمانہ شیب ہے اور ظاہر ہے کہ اس عمر میں طبعاً خواہشات نفسانی کا زور بہت گھٹ جاتا ہے۔ علاوہ اس کے رسول اللہ صلعم جو شروع سے حد درجہ خوش چلن، نیک نیت اور اپنے زمانہ شباب میں بھی بہت متین، سنجیدہ بردبار اور بے انتہا شرم و حجاب والے، نہ صرف احباب میں بلکہ اپنے حلقہ اعداء میں مشہور تھے، کیونکر اُن کے نسبت کہا جا سکتا ہے کہ اُنھوں نے حضرت عائشہ صدیقہؓ سے نکاح بر بناءِ خواہش نفس کیا ہوگا اور وہ بھی اس وقت جب آپ کی عمر ۵۰ سال کی ہو، کیا وہ شخص جس نے اپنی زندگی کا اکثر حصہ خلق اللہ کی تعلیم و اصلاح میں صرف کر دیا ہو، جس کا مشن خلایق کے اخلاق کو درست کرنا ہو، جس نے کامل پندرہ سال کی خلوت میں اسی فکر کو اپنی جان سے لگائے رکھا ہو۔ جو سخت سی سخت مخالفتوں، عداوتوں اور کینہ پروریوں کے باوجود بھی اپنے مقاصد سے ایک لمحہ کے لئے نہ ہٹا ہو کیا ایسی مقدس ذات کی نسبت کہا جا سکتا ہے کہ اُس نے پچاس سال کی عمر ہو جانے کے بعد اپنی طبیعت کو بدل دیا ہو اور لذایذ نفسانیہ کا پابند ہو گیا ہو۔ دنیا کوئی طبیب، کوئی حکیم ایسی مثال ہمارے سامنے پیش نہیں کر سکتا جس میں طبیعت انسانی یوں دفعتہً اور ناگہاں پلٹ گئی ہو ؂

اس امر کے ثبوت میں کہ رسول اللہ صلعم شروع ہی سے حد درجہ صالح اور اس نوع کی خواہشات سے بری تھے، ہمارے پاس رسول اللہ صلعم کے حالاتِ زندگی موجود ہیں جو بہتر فیصلہ کر سکتے ہیں ... رسول اللہ صلعم نے پہلی شادی حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ سے

کی آپ کی عمر ۲۵ سال کی تھی اور پورا شباب تھا، حالانکہ حضرت خدیجہؓ کی عمر ۴۰ سال کی تھی۔ ظاہر ہے کہ اگر لذایذ نفسانی کی پابندی رسُول صلعم کا شیوہ ہوتا تو یہ زمانہ اور یہ عمر اس کے لئے بہت زیادہ موزوں تھی جبکہ آپ کی شرافتِ خاندانی شریف ترین قبایل عرب کی حسین سی حسین لڑکی کی مستحق تھی، مگر یہ تو اُس وقت ہوتا جب وہاں اس کا خیال بھی کبھی دل میں گذرا ہوتا، وہاں تو جو کام کیا جاتا تھا اُس سے مقصود صرف اصلاح ہوتا تھا اور کچھ نہیں، چنانچہ رسُول اللہ صلعم نے جس قدر بھی نکاح کئے سب اسی مصلحت کے بنا پر تھے۔ اب اُس زمانہ کی تمدنی و معاشرتی حالت پر نگاہ ڈالئے کہ عرب میں کئی کئی شادیاں کرنے کا دستور تھا اور لطف یہ کہ ایک شخص کی تمام بیویاں نہایت خوشی سے مِل جُلکر رہتی تھیں، چنانچہ موسیو لیبان نے تمدنِ عرب میں اپنے چشم دید حالات لکھے ہیں کہ "میں نے ایک ایک عرب کی کئی کئی بیویاں دیکھی ہیں جو بالکل سگی بہنوں کی طرح محبت و اخلاص سے زندگی بسر کرتی ہیں اور کبھی ان میں باہمی لڑائی جھگڑا نہیں ہوتا بلکہ جب کوئی عورت دو تین بچوں کے بعد کمزور ہو جاتی تھی تو وہ خود اپنے شوہر کو دوسری شادی پر مجبور کرتی تھی تاکہ انتظامِ خانداری میں کوئی حرج نہ واقعہ ہو، اور شوہر کو اپنی پہلی بیوی کی کمزوری سے کوئی تکلیف نہ ہو" پھر جب اس زمانہ کا رسم و رواج بھی وقتِ واحد میں متعدد بیویاں رکھنے کی اجازت دیتا تھا، تو کیوں رسُول اللہ صلعم نے حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کی موجودگی میں جب کہ اُن کی عمر رسُول اللہ صلعم سے پورے پندرہ برس زائد تھی دوسرا نکاح کرنا پسند نہیں کیا اگر رسُول اللہ لذایذ نفسانی کے پابند تھے؟ ظاہر ہے کہ آپ کا مقصود صرف حظ نفس

نہیں تھا ورنہ بلا کسی رسم و رواج کے توڑے ہوئے اور بغیر کسی مزاحمت کے آپ ایسا کر سکتے تھے اور لطف یہ ہے کہ خدیجۃ الکبریٰ رضی بھی خود رسول اللہ نے اپنی خواہش سے نکاح نہیں کیا۔ بلکہ حضرت خدیجہ رضؓ نے آپ یہ درخواست آپ کے سامنے پیش کی جس کو رسول اللہ صلعم نے قبول کر لیا۔ علاوہ اس کے ہم ایک اور واقعہ بیان کرتے ہیں جس سے معلوم ہو سکتا ہے کہ اگر رسول اللہ صلعم نفس پرست ہوتے تو اس سے بہتر موقعہ انہیں اور کوئی نہیں ملسکتا تھا، لیکن آپ نے اُس کا خیال تک نہیں کیا جس وقت رسول اللہ صلعم نے تبلیغ اسلام کا کام شروع کیا اور تمام قبائل و مشرکین مکہ آنحضرت صلعم کے دشمن ہو گئے تو پہلے عبدالمطلب اور پھر آپ کے چچا ابو طالب رسول اللہ صلعم کی حمایت کیا کرتے تھے اور اس وجہ سے آپ کے دشمن آزادی سے اپنا کام نہیں کر سکتے تھے اس لیے انہوں نے خیال کیا کہ اگر کسی طرح ان کے دادا اور چچا ان کی طرفداری سے باز آجاویں تو اس سے بہتر کوئی صورت نہیں ہو سکتی، چنانچہ ایک پورا گروہ کفار کا ابو طالب کے پاس آیا اور کہا کہ "آپ کو تو کچھ خبر نہیں، کہ آپ کے بھتیجے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ہمارا ناک میں دم کر رکھا ہے، ایک نئے دین کا خبط ہوا ہے اور سرِ بازار ہمارے مذہب اور ہمارے بزرگوں کی توہین کرتا پھرتا ہے، باپ بیٹوں بھائی بہنوں میں جدائی کراتا ہے اور ملک کے امن میں سخت خلل ڈال رہا ہے ہم لوگ آپ کا لحاظ کر کے خاموش ہو جاتے ہیں۔ خدا کے لئے اُسے بُلا کے پوچھئے تو سہی کہ وہ کیا چاہتا ہے اگر اُس کی خواہش یہ ہے کہ وہ رئیس قوم بنے تو ہم لوگ سب کے سب اُس کو اپنا بادشاہ تسلیم کرنے کیلئے

اسی وقت آمادہ ہیں، اگر اُس کی آرزو دولت کا جمع کرنا ہے تو جس قدر وہ کہے ہم لوگ مہیا کردیں، اگر خوبصورت عورت چاہے تو قریش کی عورتیں جو اپنے حسُن میں شہرۂ آفاق ہیں حاضر ہیں جس کو چاہے پسند کرے اور اگر کسی طرح راضی نہ ہو تو خدا کے لئے آپ حمایت چھوڑ دیں پھر تو ہم اُسے سمجھ لیں گے یا وہ نہیں یا ہم نہیں" ابو طالب نے رسول اللہ صلعم کو سب کے سامنے بلا کر کہا کہ " اے بھتیجے یہ تمہاری قوم کے سردار تم سے ایک معقول درخواست کرتے ہیں تم سوچ کر جواب دو" رسول اللہ نے یہ سُن کر خیال کیا کہ شاید چچا مجھے چھوڑ دینا چاہتے ہیں، آپ آبدیدہ ہو گئے اور جواب دیا کہ " یہ لوگ اگر چاند سورج کو میری گود میں لا کر ڈال دینگے تو بھی میں اپنے ارادوں سے باز نہیں آؤں گا" ظاہر ہے کہ اگر رسول اللہ نفس پرست ہوتے اور خواہشات نفسانی سے حظ اُٹھانا آپ کا مقصود ہوتا تو اس سے بہتر صورت اور کیا ہو سکتی تھی، لیکن جو جواب رسُول اللہ صلعم نے دیا ظاہر ہے کہ اُس سے کیا مترشح ہوتا ہے، کیا وہ شخص جو اپنے شباب میں جذباتِ شہوانی کے پورا کرنے کے ایسے مواقع پر اس درجہ ثابت قدم ثابت ہوا اُس کی نسبت ہمیں ایک لمحہ کے لئے بھی یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ وہ پچاس برس کی عمر میں حضرت عائشہ رضہ سے صرف خواہش نفسانی کے بنا پر نکاح کرے گا! ہم ایک واقعہ اور بیان کرتے ہیں جس سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ طبعاً کیسی غیر معمولی شرم رکھتے تھے اور جس کی فطرت ایسی ہو اُس کی نسبت کیا حکم لگایا جا سکتا ہے:۔

خانۂ کعبہ میں ایک دفعہ اتفاق سے آگ لگ گئی اور وہ جلکر مسمار ہو گیا، قریش نے ملکر از سر نو اس کی تعمیر کرنا چاہی اور یہ فیصلہ ہوا

کہ جس سے جس طرح ہو اس کارِ خیر میں حصہ لے، چنانچہ اسباب تعمیر لوگ اپنے کندھوں اور سروں پر ڈھو ڈھو کر وہاں لیجاتے تھے۔ رسول اللہ صلعم کے چچا عباسؓ بھی وہاں موجود تھے۔ اتنے میں رسول اللہ صلعم جن کی عمر اُس وقت صرف ۱۳ سال کی تھی تہمد باندھے کندھے پر پتھر رکھے چلے آتے تھے، اُس وقت اِس عمر کے لڑکے سترِ عورت کا لحاظ زیادہ نہیں کرتے تھے، حضرت عباسؓ نے یہ دیکھ کر کہ برہنہ شانہ بچے کا چھل نہ جائے، آپؐ کا تہمد کھول کر گُنڈلی بنا کندھے پر رکھدیا کہ اس پر پتھر رکھ کر لاؤ نہیں کندھا چھل جائے گا، تہمد کا کھُلنا تھا کہ رسول اللہ صلعم کو مارے حیا کے غش آگیا اور جب تک تہمد باندھ نہیں دیا گیا اُس وقت تک آپ مارے غیرت کے اُٹھ نہیں سکے۔ پھر وہ شخص جو ۱۳ برس کے سِن میں ایسی غیر معمولی شرم وحیا رکھتا ہو اُس کی نسبت کوئی دانشمند کہہ سکتا ہے کہ ۵۰ سال کی عمر میں اُس نے حضرت عائشہؓ سے نکاح محض خواہشِ نفسانی کی بنا پر کیا ہوگا!

لیکن اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر رسول اللہ صلعم کا حضرت عائشہؓ سے نکاح کرنا کسی خواہش نفسانی کی بنا پر نہ تھا (جو ایک واقعہ ہے) تو وہ پھر وہ کیا اسباب تھے، جنہوں نے مجبور کیا۔ ہرچند مطلق مسئلہ نکاح و ازدواج ایسا نہیں کہ اُس پر کوئی شخص کسی سے حجت طلب کرے کہ "اُس نے کیوں نکاح کیا" مگر صورتِ خاص میں کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ اس قدر کم سِن تھیں" کیوں رسول اللہ صلعم نے اس تعلق کو پسند کیا" یہ سوال پیدا ہوسکتا ہے۔ اِس کا جواب زیادہ مشکل

نہیں اور وہ لوگ جنہوں نے ابتداءِ تاریخ اسلام کو زیادہ نگاہِ تعمق سے دیکھا ہے وہ آسانی سے معلوم کرسکتے ہیں کہ نہ صرف اس نکاح مخصوص بلکہ اور دوسرے نکاحوں کی جو رسول اللہ صلعم نے کیے کیا وجہ تھی +

نکاح کی جو غرضِ مخصوص ہے اور جو چیز عورت کی معیت کو ضروری ٹھیرا دیتی ہے وہ سب کو معلوم ہے کہ ایک جذبۂ فطری ہے اور ہر انسان اُس جذبہ کی بنا پر نکاح کی خواہش کرتا ہے۔ چونکہ ہمارے رسول صلعم بھی انسان تھے اور انسان بھی کیسے کامل القوےٰ اس لئے وہ تمام سنۂ ضروریہ جن کے بغیر ترکیب عنصری قایم نہیں رہسکتی آپ کے لئے بھی مستلزم تھے اور ہم نہیں سمجھتے کہ جب ایک رسول خود پکار پکار کر کہتا ہے کہ "انما انا بشر مثلکم" اور "لا اقول لکم انی ملک" تو کیوں نہ ہم اس بات کا اعتراف کرلیں کہ وہ تمام داعیاتِ فطرت جو ایک انسان سے ظاہر ہونا ضروری ہیں آپ میں بھی پائے جاتے تھے۔ شانِ پیغمبری کا حقیقی معنی ہیں پُرقوت ظہور اُس وقت ہو سکتا ہے جو ایک پیغمبر باوصفِ تمام ترغیباتِ عالم سے متاثر ہونے کے اُن سے مغلوب و مفتوح نہ ہوجائے اس لئے اس کے متعلق یہ گفتگو کرنا کہ رسول اللہ صلعم کا نکاح کرنا اس غرض سے تھا ہی نہیں بالکل غلط اور رسول کی رسالت کو ضعیف کرنیوالا ہے، مگر ہاں ہمارا یہ دعویٰ ضرور ہے کہ رسول اللہ صلعم نے کوئی نکاح ایسا نہیں کیا جس میں اُن کے حقیقی مشن کے حصول کے لئے کوئی خاص مصلحت پنہاں نہ ہو یا کم از کم یہ کہ اصلی مدعا اُس میں نظرانداز کردیا گیا ہو +

جس زمانہ میں رسول اللہ صلعم مبعوث ہوئے ہیں اُس وقت کی حالت دنیا کو معلوم ہے کہ کیا تھی اور عرب میں انسانیت و تہذیب

کس درجہ پامال ہو رہی تھی، ہمارے رسول صلعم صرف یہ مدعا دل میں لیکر اُٹھے کہ جس طرح بنے گا ان لوگوں کی حالت درست کی جائے گی اور یہ جو کھلم کھلا عدوان و بغاوت اللہ اور اللہ کے قانون سے کی جارہی ہے اِس کا انسداد کیا جائے گا۔ جب رسول اللہ صلعم نے وعظ و تلقین شروع کی اور کفارِ عرب کے سامنے اظہارِ حقیقت و صداقت کیا تو جو جو رکاوٹیں انہوں نے ڈالیں جو جو دشمنیاں اُنہوں نے رسول اللہ صلعم سے کیں اور جو جو تکالیف آپ کو پہنچائیں وہ سب کو معلوم ہیں ان کا اعادہ بیکار اور ہمارے مقصدِ تصنیف سے زاید ہے۔ اس لئے ایسی صورت میں کہ عرب کا ذرہ ذرہ آپ کا مخالف ہو رہا تھا آپ کو ضرورت تھی کہ اُن سے بچنے کے لئے کوئی جائے پناہ تلاش کرتے۔ کوئی ایسا گروہ تلاش کرتے جو آپ کی حمایت کرتا، چنانچہ آنحضرت کا نکاح اولین جو حضرت خدیجہؓ سے ہوا وہ بھی اسی مصلحت کی بنا پر تھا اور فی الواقع ایسی حالتِ تشویش و الم میں وہ نکاح رسول اللہ صلعم کے لئے رحمت الٰہی ثابت ہوا کہ اور کچھ نہ سہی کم از کم ایک آدمی تو ایسا مل گیا جس سے دکھ درد کہا جائے اور وہ تسلی و تشفی کرے والد ماجد حضرت ابوبکر صدیقؓ کو جو خلوص آنحضرت صلعم کے ساتھ تھا اور جیسے سخت و صعب وقت میں رسول اللہ کا آپ نے ساتھ دیا تھا اُس کا علم سب کو ہے۔ رسول اللہ صلعم جو تمام افرادِ انسانی میں ایک مکمل ترین فرد تھے وہ اچھی طرح سمجھتے تھے کہ حضرت ابوبکرؓ کے خلوص و راستی، محبت و صداقت کے اعتراف میں جو کچھ بھی کیا جائے تھوڑا ہے۔ رسول اللہ صلعم کی بیوی بننا کوئی معمولی بات نہ تھی اور یہ کوئی

آنحضرت صلعم نے حضرت عائشہ رضؓ سے نکاح کی خواہش کی تاکہ حضرت ابو بکرؓ کو اُن خدمات کا صلہ ایک حد تک ملجائے جو انہوں نے رسول اللہؐ کے ساتھ کی تھیں اور اس طرح وہ تمام اپنے متعلقین و احباب کے ساتھ ہمیشہ کے لئے رسول اللہ صلعم کے ساتھ ہو جائیں۔ رسول اللہ صلعم کا مختلف قبائل میں نکاح کرنا اس بنا پر بھی تھا کہ جہاں جہاں جس قدر لوگ بھی اپنی طرف ہو جائیں غنیمت ہے۔ چنانچہ جب اس کی ضرورت نہیں رہی اور تکمیل مقاصد ہو کر مزید اعوان و انصار کی احتیاج باقی نہ رہی تو اللہ نے لا یحل لک النساءُ من بعد کہکر آئندہ نکاح کرنے سے روک دیا۔ ایک وجہ تو حضرت عائشہ صدیقہؓ کے ساتھ نکاح کرنے کی یہ تھی جو بیان کی گئی کہ اُس سے مقصود حضرت ابو بکرؓ کی خدمات کا اعتراف کرنا تھا اور ان کے قبیلہ کو جو بہت زبردست تھا اپنی طرف کر لینا تھا، دوسری وجہ ایک اور تھی جس کو ہم اب بیان کرتے ہیں +

اس مقدمہ کو صحیح و مسلّم مان کر کہ رسول اللہ صلعم کے پیش نظر ہر کام میں وہی مقصدِ وحید اشاعتِ اسلام و قواعدِ اسلام تھا، ہم کو دیکھنا چاہیئے کہ اُس زمانہ میں عورتوں کے ساتھ کیا سلوک کیا جاتا تھا اور اُن کا رتبہ بلحاظ تمدن و معاشرت کیا تھا۔ جن لوگوں نے تاریخ عرب کا مطالعہ کیا ہے وہ جان سکتے ہیں کہ جیسا بُرا سلوک اِن سے ہوتا تھا، شائد جانوروں سے بھی نہ کیا جاتا ہوگا، اُن کی وقعت نہ تھی وہ لاشئے محض سمجھی جاتی تھیں۔ جب ہمارے رسول اللہ صلعم کا ظہور ہوا تو آپ نے عورتوں کی اس دردمند حالت کو دیکھا اور منجملہ دیگر فرائض کے جو حضور صلعم کے پیش نظر تھے یہ بھی اک اہم فرض قرار دیا گیا کہ

اِن کی اصلاح کی جائے گی، چنانچہ آپ نے کی اور جو لوگ علم الفرائض وعلم الفقہ سے واقف ہیں وہ سمجھ سکتے ہیں کہ رسول اللہ صلعم نے کس درجہ مساوات سے کام لیا۔ اگر مرد کو طلاق کا حق دیا، تو عورت کو خلع کا، اگر مرد کو کسی شکایت کی وجہ سے چھوڑ دینے کا اختیار دیا تو عورت کے لئے بھی عدالت کے دروازے کھول دیئے کہ وہ اپنی شکایات کو قاضی سے بیان کر کے چارہ جوئی کرے، مرد جس طرح اپنے مال کا مالک ہے، عورت بھی اپنے مال کی اُسی طرح مالک ہے، وہ اپنا مہر ہر وقت مرد سے وصول کر سکتی ہے، اپنے قرضداروں پر خود مختارانہ طریقہ سے دعویٰ کر سکتی ہے، غرضکہ عورت کو ایک مناسب حد تک تمام آزادیاں دے دی گئیں، یہانتک کہ اگر وہ نصرانی ہے اور مرد مسلمان تو شوہر کو کوئی حق نہیں کہ اُسے کلیسا جانے سے روک سکے۔ پھر جب رسول اللہ صلعم نے اس کا تہیہ فرما دیا تھا کہ اس جنس کی اصلاح اچھی طرح کریں گے تو ظاہر ہے کہ وہ کوئی دقیقہ اس کی تکمیل میں اٹھا رکھنے چنانچہ ضرورت تھی کہ شرع میں ایک جداگانہ باب کا اضافہ کیا جاتا جس میں عورتوں ہی کے تمدن و معاشرت کے اصلاح کے متعلق قواعد و قوانین ہوتے۔ پھر عورتوں کے متعلق جملہ مسائل کی تشریح و توضیح پوری طرح ہرگز ممکن نہ تھی اگر رسول اللہ صلعم ایک سے زائد بیویاں نہ کرتے۔ لیکن اگر رسول اللہ صلعم صرف بیوہ یا معمر عورتوں ہی سے شادی کرتے اور کوئی بکر یا کم سن بیوی رسول اللہ صلعم کے حرم میں نہ ہوتی تو اُس باب کی تکمیل میں بڑا نقص رہجاتا اور ہمیں مطلق اُس وقت کے حالات کا پتہ نہ چلتا۔ بہر حال کمسن عورت سے

شادی کرنا حرام تو کسی طرح ہو ہی نہیں سکتا تھا اس لئے بہ صورتِ جواز ضرورت تھی کہ خود رسول اللہ صلعم اپنے طرزِ عمل سے یہ ثابت کر دیتے اور لوگوں کے لئے ایک نمونہ چھوڑ جاتے کہ ایسی صورت میں شوہر کے فرائض کیا ہیں اور اُس کو کیا کرنا چاہیئے +

ایک تیسرا پہلو بحث کا اور ہے اور وہ یہ دیکھنا کہ کسی کمسن لڑکی سے شادی کرنا (اگر بر بنائے غلبۂ شہوتِ نفسانی نہ ہو اور ایسا ہونے کی کوئی وجہ نہیں جس کو ہم پہلے ظاہر کر چکے ہیں) کس صورت میں خلاف مصلحت ہو سکتا ہے۔ اس کی صورت صرف ایک ہے اور وہ یہ کہ لڑکی مُراہنقہ بھی نہ ہو، یعنی قریب بلوغ بھی نہ ہو۔ کیونکہ اس صورت میں اغراض نکاح جن کی بنا زیادہ تر تکثیرِ نسل پر ہے حاصل نہیں ہو سکتے۔ لیکن اگر کوئی اس قدر کمسن نہ ہو تو کوئی وجہ نہیں کہ اس لحاظ سے شادی فعل عبث سمجھا جائے۔ عرب سخت گرم ملک ہے اور بالعموم ایسے گرم ممالک کے لڑکیاں بہت جلد بالغ ہو جاتی ہیں، چنانچہ ہندوستان کے لوگ اس کو اچھی طرح سمجھتے ہونگے کہ یہاں کس عمر کی لڑکی بالغ ہو سکتی یا ہو جاتی ہے۔ ہم نے خود متعدد مثالیں ایسی دیکھی ہیں کہ دس گیارہ سال کی عمر میں لڑکیاں صاحبِ اولاد ہو گئیں۔ پھر عرب میں جو ہندوستان سے زیادہ گرم ملک ہے کوئی وجہ نہیں کہ دس سال کی لڑکی بالغ نہ ہو جاتی ہو۔ اس لئے حضرت عائشہ صدیقہؓ کی عمر اگر رخصت کے وقت دس سال کی تھی تو ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ کس طرح ایسی شادی کو فعل عبث سمجھ سکتے ہیں۔ ایک چوتھا پہلو بحث کا اور ہے۔ وہ یہ کہ تعداد ازدواج کے

مسئلہ میں ہم جہاں اور دلیلیں اُس کے وجوب کی پیش کرتے ہیں وہاں ایک دلیل یہ بھی ہوتی ہے کہ مرد کو نطفہ دینے کی قابلیت بہت عرصہ تک رہتی ہے (چنانچہ ڈاکٹر ٹیلر نے سو برس مقرر کیے ہیں اور کبیٹیر نے ۹۶ سال، مگر اوسط ۹۰ سال ضرور ہے) اور عورتیں حاملہ ہونے، دردِ زہ، استحاضہ وغیرہ کے مصائب سے صرف پچاس ساٹھ سال تک نطفہ قبول کر سکتی ہیں۔ اس لئے تعددِ ازدواج ضروری ہے کہ مرد کا نطفہ بیکار نہ جائے۔ پس اس اصول کی بناء پر بھی حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ کے نکاح کو دیکھئے کہ بالکل درست ہوا کیونکہ رسول اللہؐ نے پچاس سال کی عمر میں حضرت عائشہ رضؓ سے نکاح کیا جب آپ کی عمر دس کی تھی اگر رسول اللہ صلعم عمر طبعی تک پہنچتے تو ۹۰ سال تک سلسلۂ توالد و تناسل کو بڑھا سکتے تھے جبکہ حضرت عائشہ رضؓ کی عمر پورے پچاس سال کی ہوتی اور جو آخری حد عورت کے اولاد پیدا کرنے کی ہے، یعنی حضرت عائشہ رضؓ کے زندگی کا کوئی سال بیکار نہ جاتا اور سلسلۂ تناسل برابر اُس وقت تک جاری رہ سکتا جب تک آپ میں اولاد پیدا کرنے کی صلاحیت باقی رہتی +

یہانتک تو اُس اعتراض کا رد ہوا جو اس نکاح کے متعلق ہمارے رسول اللہ صلعم پر کئے جاتے ہیں۔ اب دوسرے اعتراض کو ہم لیتے ہیں جو حضرت عائشہ رضؓ کے متعلق اُن روایات کی بنا پر کئے جاتے ہیں جو آپ سے منقول ہیں اور جن کو ہم پہلے بیان کر چکے ہیں +

اُن حضرات نے جو احادیث میں روایت کو بہ نسبت روایت کے

زیادہ دخل دیتے ہیں (اور جس میں ہماری رائے مطلق شامل نہیں) ان اعتراضات کا جواب دوسری طرح دیا ہے اور وہ اسی طرح کہ کہ وہ ان روایات کو معتبر نہیں سمجھتے۔ مگر ہماری رائے میں اس کی ضرورت نہیں کیونکہ بہ صورت صحتِ روایات بھی ہمارے پاس کافی دلائل موجود ہیں کہ اعتراضات کو دور کر سکیں، لیکن اس خیال سے کہ درایتی گروہ بھی ایک مسلم فرقہ ہے اور اُنکی رائے بھی معلوم کرنا لطف سے خالی نہیں ہم پہلے ان کے طریقہ استدلال کو پیش کرتے ہیں اور پھر اس کے بعد ہم وہ پہلو اختیار کریں گے جو ہمارا اصل مقصود و مدعا ہے۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ جو روایات حضرت عائشہ رضؓ سے منسوب کی جاتی ہیں وہ صحیح نہیں ہیں کیونکہ جب تک یہ نہ ثابت ہو جائے کہ دوسری ازواج نے بہ مقابلہ حضرت عائشہ رضؓ رسولِ خدا صلعم کی محبت کا اظہار کیا تھا اُس وقت تک حضرت عائشہ رضؓ کا اُن رازدارانہ تعلقات کا بیان کرنا جو متعلق بہ زوجیت ہیں کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ کسی حدیث کسی تاریخ اور کسی ضعیف سی ضعیف روایت سے بھی یہ ثابت نہیں کہ رسول اللہ صلعم کے وصال کے بعد خلفائے راشدین میں سے کسی خلیفہ نے ازواج مطہرات کے احترام یا اُن کے حقوق بحال رکھنے میں کوئی کمی ہو یا ان میں باہم کوئی درجۂ امتیاز قائم کیا گیا ہو، خلیفۂ اول کے زمانہ میں تمام اُمہات المومنین کی تنخواہیں برابر تھیں نہ حضرت عائشہ رضؓ کی تنخواہ زیادہ مقرر ہوئی تھی اور یہ خلیفہ ثانی کے عہد میں بی بی حفصہ رضؓ کے ساتھ کوئی خاص رعایت کی گئی تھی۔ پھر جب مساوات اس درجہ قائم تھی

توکوئی وجہ نہیں کہ کسی بی بی نے حضور صلعم کے ساتھ اپنی خصوصیات
کا اظہار کیا ہو۔ یہ فطرتِ انسانی ہے کہ جب وہ کسی سرپرست کے
بعد اپنے حقوق زایل ہوتے دیکھتی ہے تو اُن تعلقات کا اظہار
کرتی ہے جو اُس سرپرست سے تھے، لیکن جب کوئی مدعی مقابلہ
میں نہیں ہے اور نہ ازالۂ حقوق کا خوف ہے تو بلا وجہ اظہار خصوصیت
سمجھ میں نہیں آتا کہ حضرت عائشہؓ نے کیوں کیا ہوگا۔ دوسرے
ان روایات کا حضرت عائشہؓ سے منسوب کیا جانا یوں بھی نادرست
معلوم ہوتا ہے کہ عورت کی فطرت میں خواہ وہ کسی ملک وقوم سے
تعلق رکھتی ہو بہت زیادہ شرم کا مادہ پیدا کیا گیا ہے اور وہ کبھی اُن
تعلقات کا اظہار نہیں کرسکتی جو اُس کے اور شوہر کے درمیان ہیں
رہا یہ امر کہ وہ روایتیں کس طرح اور کیوں کتب اسلامی میں جگہ پاگئیں
اس کی وجہ بظاہر یہی معلوم ہوتی ہے کہ چونکہ رسول اللہ صلعم کے
بعد علماء ومحدثین کو بھی عورتوں کے احترام وعزت کا وہی خیال تھا
جو خود آنحضرت صلعم کو تھا اس لئے انھوں نے مصلحتاً اُن لوگوں کو
راہِ راست پر لانے کے لئے جو فلسفہ وحکمت کے راز سے ناواقف
ہیں اور جن کے لئے دوسری تدابیر زیادہ کارگر ثابت ہوسکتی ہیں
اس قسم کی روایات کو کتابوں میں جگہ دیدی تاکہ وہ لوگ یہ جانکر
کہ رسول اللہ صلعم اپنے ازواج کے ساتھ کیسی محبت وخلوص کا
برتاؤ کرتے تھے خود بھی اپنی عورتوں سے محبت کریں اور اُن کے
ساتھ بہتر سلوک کریں۔ یہ تھا خلاصہ ان لوگوں کے جواب کا جو ان
روایات کو ضعیف سمجھتے ہیں۔ اب ہم ان روایات کو صحیح یقین کر کے

ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ اُن پر کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا:-

(۱) حضرت عائشہ رض کا یہ فرمانا کہ "میں رسول اللہ صلعم کے تمام ازواج میں سب سے بہتر ہوں" کیوں مذموم سمجھا جاتا ہے۔ ہر چند رسول اللہ صلعم کے تمام ازواج مطہرات نیک تھیں، لیکن یہ ظاہر ہے کہ باعتبار قابلیت و قوتِ دماغ و صحت رائے و تدبیر سب یکساں نہیں ہو سکتی تھیں۔ چونکہ ایک شخص دوسرے پر کسی نہ کسی حیثیت سے فضیلت رکھ سکتا ہے اس لئے حضرت عائشہ رض فی الحقیقت ایسی تھیں تو اُس میں کونسا استحالہ عقلی ہے۔ اور اگر نہیں تو اس کا اظہار کیوں معیوب ہے +

(۲) حضرت عائشہ رض کا یہ فرمانا کہ تمام ازواج میں میں ہی کنواری تھی کیوں لائق سرزنش خیال کیا جاتا ہے۔ بہرحال اگر یہ واقعی لفظ فحش ہے تو عیسائیوں کو (جنہوں نے یہ اعتراضات کئے ہیں) شرم کرنا چاہئیے کہ شب و روز میں ہزاروں مرتبہ حضرت مریم رض کا نام لیتے ہیں اور بغیر لفظ (Virgin) کے جس کے معنی کنواری کے ہیں کبھی اُن کا نام نہیں لیتے +

(۳) تیسرا فخر حضرت عائشہ کا یہ تھا کہ "میرے والدین مہاجرین میں سے تھے" چونکہ یہ بھی اک صحیح واقعہ ہے اس لئے اس کے اظہار میں بھی کوئی بُرائی نظر نہیں آتی +

(۴) چوتھا فخر حضرت عائشہ کا یہ تھا کہ "جب مجھ پر تہمت لگائی گئی تو میری براءت خود اللہ نے کی اور رسول اللہ صلعم پر وحی اُس کے متعلق نازل ہوئی" ظاہر ہے کہ اس سے زیادہ تقدیس و احترام

اور کیا ہو سکتا ہے کہ اُن کے لئے آیتِ برات نازل ہوئی (چونکہ ہم اس واقعۂ افک کو مفصل علیٰحدہ بیان کرینگے اس لئے یہاں اسی پر اکتفا کرتے ہیں) +

(۵) پانچواں فخریہ تھا کہ "جب میں بن بیاہی تھی تو جبرئیل نے رسولِ خدا صلعم کو میری تصویر دکھا کر کہا تھا کہ اس لڑکی سے نکاح کیجئے" اگر یہ روایت صحیح مان بھی لی جائے تو بھی اس کی قباحت بادی النظر میں تو کوئی ظاہر نہیں ہوتی کیونکہ تصویر دکھانے سے یہی مطلب ہے کہ یہ شادی خدا کے حکم سے ہوئی اور اس شادی میں بہت سی مصلحتیں تھیں جن کا ذکر پہلے آچکا ہے۔ مسلمانوں کے عقیدہ کے رُو سے کوئی کام بغیر حکمِ خدا کے نہیں ہوتا اس لئے اگر حضرت عائشہ رض نے اس کا اظہار کیا تو اس میں کیا بے حجابی و بے شرمی تھی۔ تصویر سے مراد ظاہر ہے کہ فوٹو یا آجکل کی Painting نقاشی کا نمونہ مقصود نہیں ہے بلکہ حضرت عائشہ رض کی صورت مراد ہے۔ پھر جس رسول صلعم کے پاس وحی آتی تھی اور ہر بات میں خدا کی طرف سے ہدایت ہوتی تھی کیا یہ ممکن نہ تھا کہ خدا اس مسئلہ میں بھی رسول اللہ کو ہدایتِ خاص کرتا اور جب ایسا ممکن ہے تو پھر حضرت عائشہ کا یہ قول کیونکر نامطبوع ہو سکتا ہے +

(۶) حضرت عائشہ رض سے یہ روایت بھی منسوب کیجاتی ہے کہ "رسول اللہ صلعم نماز پڑھا کرتے تھے اور میں سامنے لیٹی بیٹھی رہتی تھی" اس میں ایک صورت تو مسئلہ کی ہے جس سے یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ رسول اللہ صلعم نے اس حالت میں نماز پڑھی ہے کہ دوسرا آپ کے

روبرو لیٹا بیٹھا رہتا تھا اور دوسری یہ کہ رسول اللہ صلعم خاص خلوت
کی حالت میں بھی یادِ خدا سے غافل نہ رہتے تھے۔ رسول اللہ صلعم کا
کوئی فعل حکمت سے خالی نہ تھا۔ اگر آپ نے ۵۰ سال تک کوئی
دوسرا نکاح نہیں کیا اور اتنی مدت صرف حضرت خدیجہ رضؓ کے ساتھ
بسر کر دی تو اس سے یہ تعلیم مقصود تھی کہ ایک مردِ عالمِ جوانی میں اپنے
سے زیادہ عمر کی بیوی پر کس طرح قانع رہ سکتا ہے، اگر آپ نے
متعدد نکاح کئے تو اس سے تعلیم مقصود تھی کہ مرد متعدد بیویاں
رکھنے کے بعد کس طرح ان میں مساوات قائم رکھ سکتا ہے اگر
آپؐ نے مختلف عمر کی عورتوں سے شادیاں کیں تو اس سے یہ بتلانا
مقصود تھا کہ ایک مرد اپنی مختلف العمر عورتوں کو کس طرح خوش
رکھ سکتا ہے +

(۷) حضرت عائشہؓ کا یہ فرمانا کہ "میرے حجرہ میں وحی نازل ہوئی
آنحضرت صلعم نے میرے زانو پر سر رکھ کر وفات پائی، میرے ہی
حجرہ میں مدفون ہوئے" ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ ان میں کونسی بات
بے حجابی یا بے شرمی کی ہے اور تاوقتیکہ پہلے اعتراض کی صحت نہ ثابت
کر دی جائے ہمارا جواب کے لئے کاوش کرنا فضول ہے +

(۸) حضرت عائشہ رضؓ نے یہ بھی فرمایا کہ "رسول اللہ صلعم اور میں
ایک ہی برتن میں نہایا کرتے تھے" اس پر عیسائیوں نے جو اعتراض
کیا ہے اُس کی وجہ ظاہر ایسی معلوم ہوتی ہے کہ انہوں نے اپنی موجودہ
معاشرت پر اس کا قیاس کیا کہ جس طرح ایک ہی ٹب میں اُن کے
ہاں مرد اور عورت نہلاتے اور نہا سکتے ہیں اسی طرح حضرت عائشہؓ بھی

آنحضرت صلعم کے ساتھ نہائی ہوں گی لیکن یہ قیاس ان کا غلط ہے کیونکہ عرب میں اس طرح کے غسل کا رواج نہ تھا۔ حضرت عائشہ رض کا مقصود اس سے یہ کہنا ہے کہ جس برتن سے رسول اللہ نہایا کرتے تھے اُسی برتن سے میں بھی نہاتی تھی اور ظاہر ہے کہ ایک مسلمان کے لئے اس سے زیادہ قابلِ فخر بات اور کوئی نہیں ہو سکتی کہ وہ اُس برتن کو استعمال کر سکے جس کو آنحضرت صلعم نے خود استعمال کیا ہو۔ چونکہ یہ بھی ایک واقعہ ہو سکتا ہے اور واقعہ بھی ایسا جس میں کسی شرم و حجاب کرنے کی ضرورت نہیں اس لئے حضرت عائشہ رض کا یہ قول بھی موردِ الزام و عتاب نہیں ہو سکتا +

یہ بحث اُن روایات کے متعلق ہوئی جو حضرت عائشہ رض سے منسوب کی جاتی ہیں اور جن پر عیسائیوں نے اعتراضات کئے ہیں اور غالباً اس سے معلوم ہو گیا ہو گا کہ جن امور کو اس قدر اہمیت اعتراض میں دیدی گئی ہے وہ حقیقتاً بالکل بے بنیاد ہیں اور سوائے تعصب کے اُن میں اور کچھ نہیں ہے۔ مگر آپ کی ذات پر خود مسلمانوں کے ایک فرقہ نے چند اعتراضات اور کئے ہیں جن کا جواب ہم اُن واقعات کے ذکر میں جو اُن اعتراضات کے باعث ہوئے ہیں آیندہ چلکر دیں گے۔ لیکن یہ بات یہیں ذہن نشین کر لینی چاہئے کہ باعتبار فہم و ذکاوت، رسائی ذہن، و قوت استخراجِ نتائج جو مرتبہ حضرت عائشہ رض کا تھا کسی اور بیوی کا نہ تھا، آپ میں سیاست دانی کا ایسا ملکہ تھا کہ اچھے اچھے مردوں کو اُس زمانے کے حاصل نہیں تھا اور یہی باتیں آئندہ چلکر رسول اللہ صلعم کے وصال کے بعد اُن

اعتراض کا باعث ہوئیں۔ بہر حال یہاں ہم اُس کے متعلق صرف اسی قدر عرض کر کے آپ کے دیگر حالات و فضائل و خصائص سے بحث کرتے ہیں ✤

بابِ سوم

بابِ اول میں پیدائش سے لیکر نکاح تک کا ذکر کر چکے ہیں اور اُسی ضمن میں اُن اعتراضات کا بھی رد کر چکے ہیں جو واقعہ نکاح کے متعلق آنحضرت صلعم کے اوپر ایک حدیث کے متعلق (جو حضرت عائشہ رضؓ سے منسوب ہے) خود حضرت عائشہ رضؓ پر مخالفین نے کئے ہیں، اب اس باب میں ہم حضرت عائشہ رضؓ کے متعلق اُن احادیث یا واقعات کا ذکر کریں گے جس سے آپ کے اور آنحضرت صلعم کے باہمی تعلقات یا آپ کی خصوصیات پر کافی روشنی پڑے گی ✤

مسلم نے حضرت عائشہ رضؓ سے روایت کی ہے کہ جب میں رخصت کی گئی اور رسول اللہ صلعم کے گھر گئی تو میری گڑیاں میرے ساتھ تھیں عید کا مہینہ تھا جب میرا نکاح ہوا اور میں اس مہینہ میں رسمِ نکاح ادا کئے جانے کو بہت پسند کرتی تھی۔ میرے ولیمہ میں نہ کوئی اونٹ ذبح کیا گیا اور نہ بکری بلکہ ساری کائنات سامانِ ولیمہ کی صرف ایک پیالہ دودھ کا تھا جو سعد بن عبادہ کے ہاں سے آیا تھا" اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عائشہ رضؓ کی رسمِ نکاح کس سادگی سے ہوئی

اوراس سادگی پر انہیں کس قدر فخر و ناز تھا۔ رسول اللہ صلعم کو آپ سے بہت الفت تھی اور تمام معاملات خانہ داری کا خیال فرماتے تھے جس کا ثبوت ذیل کے چند واقعات سے ہوتا ہے۔ اور انہیں واقعات سے یہ بھی معلوم ہوگا کہ حضرت عائشہ رض کی کیا خصوصیات تھیں اور وہ کیا فضیلت رکھتی تھیں +

ایک مرتبہ عید کے موقع پر حبشیوں کے چند لڑکے مسجد نبوی کے صحن میں حضرت عائشہ رض کے حجرہ کے سامنے بانک پٹے کی طرح کوئی کھیل تماشہ کر رہے تھے۔ حضرت عائشہ رض فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلعم نے مجھ سے دریافت کیا کہ تم اِن کا تماشہ دیکھنی چاہتی ہو میں نے عرض کیا، ہاں، فرمایا تو اچھا میری پشت کے پیچھے کھڑی ہو جاؤ، چنانچہ میں اپنی ٹھوڑی آپؐ کے بازو پر رکھ کر کھڑی ہو گئی اور لگی تماشہ دیکھنے جس وقت تک میں تماشہ دیکھنے سے اُکتا نہیں گئی رسول اللہ صلعم میری خاطر سے اُسی طرح کھڑے رہے +

حضرت عائشہ رض کے پڑوس میں ایک شخص رہتا تھا جو سالن عمدہ پکایا کرتا تھا۔ اس نے ایک بار بہت اہتمام سے کھانا تیار کیا اور رسول اللہ صلعم سے آکر عرض کی کہ حضور کی دعوت ہے آپ نے پوچھا اور عائشہ رض کی؟ اُس نے کہا نہیں، آپ نے فرمایا، تو میں بھی نہیں آتا دوسری دفعہ وہ پھر آیا اور یہی واقعہ پیش آیا، تیسری بار پھر آیا اور حضرت عائشہ رض کو بھی مدعو کیا۔ اس دفعہ رسول اللہ صلعم حضرت عائشہ رض کے ساتھ کھانا کھانے تشریف لے گئے +

جب حضرت عائشہ رض رخصت ہو کر رسول اللہ صلعم کے گھر گئیں

تو اپنی گڑیاں بھی ساتھ لیتی گئی تھیں۔ اُن کو ایک طاق میں بٹھا کر
ان پر پردہ ڈالدیا تھا۔ ایک دن رسول اللہ صلعم وہیں تشریف فرما
تھے کہ وہ پردہ ہوا سے اُڑا اور رسول اللہ صلعم کی نظر گڑیوں پر پڑی
آپؐ نے دریافت فرمایا کہ اے عائشہ رضؓ یہ کیا ہے۔ آپ نے جواب دیا
کہ یارسول اللہ صلعم یہ میری بیٹیاں ہیں۔ انہیں گڑیوں میں ایک گھوڑا
بھی تھا جس کے پر لگے ہوئے تھے۔ رسول اللہ صلعم نے پوچھا کیا
گھوڑوں کے بھی پر ہوتے ہیں۔ آپ نے جواب دیا کہ کیا حضرت
سلیمانؑ کے گھوڑوں کے پر نہیں تھے۔ اس پر رسول صلعم ہنس پڑے
ابوداؤد نے اس حدیث کو نقل کیا ہے ✣

بخاری میں ہشام بن عروہ اپنے والد سے روایت کرتے
ہیں کہ جس دن رسول اللہ صلعم حضرت عائشہ رضؓ کے ہاں شب بسر
فرماتے تھے۔ اُس دن اکثر اصحاب رسول اللہ صلعم آنحضرتؐ کی خدمت
میں تحائف و ہدایا بھیجا کرتے تھے۔ دوسری بیبیوں نے باہم مشورہ
کر کے اُم سلمہ رضؓ کو رسول اللہ صلعم کے پاس بھیجا کہ جا کر اس کے متعلق
حضرت سے کہیں۔ آپ نے آکر رسول اللہ صلعم سے کہا کہ یارسول اللہؐ
عائشہ رضؓ کی کیا خصوصیت ہے کہ جب آپ ان کے ہاں ہوتے تو اصحاب
ہدایا بھیجتے ہیں آپ حکم فرماویں کہ جہاں آپ ہوں وہیں تحائف جایا
کریں۔ رسول اللہ صلعم نے یہ سُن کر ام سلمہ رضؓ کی طرف سے منہ پھیر لیا
آپ نے دوبارہ کہا۔ پھر منہ پھیر لیا جب تیسری دفعہ پھر اس کا اعادہ
کیا تو حضرت نے فرمایا کہ " اے ام سلمہ رضؓ تو عائشہ رضؓ کے حق میں مجھے
تکلیف نہ دے کہ سوائے عائشہ رضؓ کے اور کسی کے بیوی کے پاس

نزول وحی نہیں ہوتا" اس واقعہ کے متعلق دوسری حدیث یہ ہے :-

صحیحین میں ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلعم کی نو بیویوں میں سے صرف آٹھ کی باری مقرر تھی، کیونکہ حضرت سودہؓ نے اپنی باری بھی حضرت عائشہؓ کو دیدی تھی۔ اس لئے آپ سات بیویوں کے ہاں ایک ایک دن رہتے تھے۔ دوسری بیویوں نے اُم سلمہؓ کو رسول اللہ کے پاس بھیجا کہ وہ اس معاملہ میں جاکر عرض کریں رسول اللہؐ نے فرمایا کہ عائشہؓ کے بارے میں مجھے رنج نہ دو کیونکہ سوائے عائشہؓ کے اور کسی بی بی کے پاس مجھ پر وحی نہیں آتی۔ حضرت ام سلمہؓ نے کہا کہ یا رسول اللہ صلعم میں آپ کو رنج دینے سے توبہ کرتی ہوں اور وہاں سے چلی آئیں۔ پھر سب بیویوں نے حضرت فاطمہؓ کو آنحضرت صلعم کی خدمت میں اُسی امر کے تصفیہ کے لئے بھیجا۔ اُن سے رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ "اے بیٹی تو کیا اُس کو عزیز نہ رکھے گی جس کو میں عزیز رکھتا ہوں" اس پر حضرت فاطمہؓ نے کہا کہ "میں ضرور اُسے عزیز رکھوں گی جس کو آپ چاہتے ہیں" رسول اللہ صلعم نے فرمایا "تو پھر عائشہؓ سے محبت رکھو اور اس کے معاملہ میں دخل نہ دو" حضرت فاطمہؓ خاموش ہو کر واپس گئیں۔ مگر اس کے بعد تیسری دفعہ پھر بیویوں نے حضرت زینبؓ کو جو رسول اللہ کی پھوپھی زاد بہن بھی تھیں بھیجا۔ حضرت زینبؓ نے رسول اللہ صلعم کے پاس جاکر ذرا سختی سے گفتگو کی اور کہا کہ یا رسول اللہ صلعم آپ کی بیبیاں آپؐ سے عدل و انصاف چاہتی ہیں۔ آنحضرت خاموش تھے کچھ جواب نہیں دیتے تھے حضرت عائشہؓ دیر تک خاموش سنتی رہیں کہ شائد رسول اللہ صلعم کچھ

جواب دیں گے، لیکن جب آپ نے کچھ جواب نہ فرمایا تو خود حضرت عائشہؓ نے جواب دینا شروع کیا یہانتک کہ حضرت زینبؓ کو خاموش وقائل کر دیا۔ تب رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ عائشہؓ ابوبکرؓ کی بیٹی ہے جیسا اس کا باپ دانا و خوش تقریر ہے ویسی ہی ہوشمند و خوش بیان اُس کی بیٹی بھی ہے +

بخاری میں ابو موسےٰ اشعری سے روایت ہے کہ فرمایا آنحضرت صلعم نے کہ مردوں میں بہت لوگ کامل گذرے ہیں اور عورتوں میں مریمؑ بنت عمران اور آسیہ زوجۂ فرعون کے سوا اور کوئی کامل نہیں گذری، لیکن عائشہؓ کی فضیلت تمام عورتوں پر ایسی ہے جیسے ثرید کی فضیلت تمام کھانوں پر۔ (ثرید ایک قسم کا کھانا ہے جس میں روٹی شوربہ کے اندر ڈالدیتے ہیں۔ عربوں میں بہت محبوب و لذیذ غذا سمجھی جاتی تھی) +

رسول اللہ صلعم کی عادت تھی کہ جب کوئی بی بی دوسری بی بی کو بُرا کہتی تو آپ فرماتے کہ تو بھی بُرا کہہ لے اور بہتر تو یہ ہے کہ صبر کر اور جواب نہ دے لیکن حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جب میں خفا ہو جاتی تو رسول اللہ صلعم مجھ سے فرماتے کہ "اے عُویشؓ (عائشہؓ کی تصغیر۔ پیار کا لفظ) دعا مانگ اللہ سے کہ بخش دے میرے گناہ دور کر میرے غصہ کو اور بچا مجھے فتنوں کی گمراہی سے۔ اور جب کبھی میں خود رسول اللہ صلعم سے روٹھ جاتی تھی تو آپ مجھ کو مناتے اور جو میں نہ مانتی تو فرماتے کہ اچھا جس کو تیرا جی چاہے حکم بنا لے چنانچہ ایک دفعہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ اے عائشہؓ کیا تم

عمر بن الخطاب رض کو حکم بناتی ہو۔ میں نے کہا نہیں وہ سخت ہیں۔ میں اپنے باپ (ابو بکر رض) کو حکم بناتی ہوں۔ چنانچہ آپ نے حضرت ابو بکر رض کو بلایا اور کہا کہ "عائشہ رض مجھے یوں یوں کہتی ہے" اس پر میں نے کہا کہ "یا رسول اللہ صلعم ڈرو اللہ سے اور حق بات کہو" اس پر میرے باپ نے میرے ناک پر ہاتھ مارا اور کہا کہ "اے عائشہ رض مر جائے تیری ماں جب رسول اللہ صلعم حق نہ کہیں گے تو پھر کون کہے گا کیا تو اور تیرا باپ حق کہے گا" اس پر رسول اللہ صلعم نے کہا کہ "یا ابا بکر رض میں نے تمہیں حکم بنا کر بلایا ہے اس لئے نہیں کہ میری بیوی کو سزا دو" مگر ابو بکر رض نے پھر چھڑی لیکر مجھے مارنے کا ارادہ کیا۔ میں بھاگ کر رسول اللہ صلعم سے لپٹ گئی۔ جب حضرت ابو بکر رض چلے گئے تو میں پھر آپ سے جدا ہو گئی رسول اللہ صلعم نے بلایا لیکن میں پاس نہ گئی۔ اسپر رسول اللہ صلعم ہنس پڑے کہ "اے عائشہ رض ابھی تو تو مجھ سے لپٹی ہوئی تھی اور اب میں بلاتا ہوں تو انکار کرتی ہے"۔

حضرت عائشہ رض فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلعم کی وفات کے وقت سر مبارک میرے سینہ سے لگا ہوا تھا کہ میرے بھائی عبد الرحمن ہاتھ میں مسواک لئے ہوئے آئے رسول اللہ صلعم نے مسواک کو غور سے دیکھا (آپ کو مسواک بہت محبوب تھی) میں نے عرض کی کہ مسواک آپ کو دوں۔ آپ نے سر کے اشارہ سے فرمایا کہ "ہاں" میں نے عبد الرحمن سے مسواک لیکر اپنے دانتوں سے نرم کی اور رسول اللہ صلعم کو دی آپ نے اُس کو اچھی طرح استعمال کیا۔ حضرت عائشہ رض اس واقعہ پر فخر کرتی ہیں۔ اور بجا فخر کرتی ہیں کہ اس طرح میرا اور رسول اللہ صلعم کا

لعابِ دہن جمع ہو گیا جبکہ رسول اللہ صلعم کی دنیاوی حیات کا آخری اور حیات اخروی کا پہلا دن تھا +

بخاری اور مسلم کی روایت ہے کہ حضرت عائشہ رض کی سہیلیاں ان کے ساتھ کھیلا کرتی تھیں۔ جب رسول اللہ صلعم تشریف لاتے تھے تو وہ چلی جاتی تھیں اور جب رسول اللہ صلعم گھر سے باہر کہیں تشریف لیجاتے تھے تو ان کے ساتھ کھیلنے والی ہمسن لڑکیوں کو حضرت عائشہ رض کے پاس بھیجتے جاتے تھے +

بخاری اور مسلم سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلعم نے کہ "اے عائشہ رض میں جانتا ہوں اُس وقت جب تو مجھ سے خوش ہوتی ہے اور جب خفا ہو جاتی ہے"۔ عرض کی اے رسول اللہ صلعم کس طرح آپ جانتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ جب تو خوش ہوتی ہے تو کہتی ہے "قسم ہے مجھ کو ربِ محمد ص کی" لیکن جب تو مجھ سے خفا ہوتی ہے تو کہتی ہے کہ "قسم ہے مجھے ربِ ابراہیم کی" حضرت عائشہ رض نے کہا کہ ہاں یہ صحیح ہے غصہ میں صرف آپ ص کا نام چھوڑ دیتی ہوں لیکن آپ میرے دل سے کبھی جدا نہیں ہوتے +

حضرت عائشہ رض سے منقول ہے کہ میں ایک دفعہ رسول اللہ صلعم کے لئے حریرہ پکا کر لائی۔ آپ کے پہلو میں حضرت سودہ رض بھی بیٹھی ہوئی تھیں میں نے اُن سے بھی کھانے کو کہا لیکن انہوں نے انکار کیا۔ میں نے کہا کہ اگر تم حریرہ نہ کھاؤ گی تو میں تمہارے منہ پر مل دونگی۔ جب اس پر بھی انہوں نے نہ کھایا تو میں نے اُن کے منہ پر حریرہ مل دیا اسپر رسول اللہ صلعم ہنسے اور سودہ رض سے کہا کہ تو بھی عائشہ رض کے منہ پر مل دے

رسول اللہ صلعم نے مجھے پکڑ لیا اور سودہؓ نے میرے منہ پر بھی حریرہ مل دیا
اتنے میں حضرت عمرؓ کی آواز آئی کہ اپنے بیٹے عبداللہؓ کو پکارتے آتے
ہیں۔ رسول اللہ صلعم نے یہ خیال کیا کہ شائد حضرت عمرؓ اندر آئیں گے
فرمایا کہ جاؤ تم دونوں اپنے مُنہ کو صاف کرو۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں
کہ اُس دن سے ہم لوگوں پر حضرت عمرؓ کی ایک ہیبت طاری تھی کیونکہ
ہم نے رسول اللہ صلعم کو بھی آپ کا بہت لحاظ کرتے دیکھا تھا۔

حضرت عائشہؓ سے عروہ نے بخاری میں روایت کی ہے کہ گیارہ
عورتیں ایک جگہ بیٹھیں اور باہم یہ عہد و پیمان کیا کہ اپنے اپنے شوہروں کا
حال بلا کم و کاست ایک دوسرے کو سُنائیں چنانچہ اُن میں سے
پہلی عورت نے کہا کہ میرا خاوند ایسا ہے جیسے دُبلے اونٹ کا گوشت
اور وہ گوشت بھی گویا ایک اونچے پہاڑ پر رکھا ہوا ہے کہ کوئی آسانی
سے لے آوے، مدعا یہ کہ سخت نالایق و بے حقیقت شخص ہے
دوسری عورت نے کہا کہ میں اپنے شوہر کا کوئی حال نہ کہونگی کیونکہ
قصہ طویل ہے اور ممکن ہے کوئی بات بیان کرنے سے رہجائے
اور پھر اگر بیان بھی کردوں تو اس کے سارے معائب ظاہر و باطن
بیان کرنے پڑیں گے۔ تیسری عورت نے کہا کہ میرا شوہر لمبا بد قطع ہے،
اگر بولوں تو مجھے طلاق دیدے اور اگر کچھ نہ کہوں تو ادھر میں چھوڑ دے
نہ روٹی دے نہ کپڑا، چوتھی عورت نے کہا میرا خاوند ایسا ہے جیسے تہامہ
کی رات (تہامہ اُس قطعۂ عرب کا نام ہے جس میں مکہ واقع ہے
اور وہاں کی رات مشہور ہے) پانچویں بولی کہ میرا خاوند گھر میں آتا
ہے تو چیتے کی طرح سو جاتا ہے (چیتے کی نیند مشہور ہے) اور جب باہر جاتا ہے،

تو شیریں بن جاتا ہے اور جو عہد و پیمان کرتا ہے اُس کا خیال رکھتا ہے۔ یعنے بہت حلیم و کریم ہے اور عہد شکن نہیں ہے۔ چھٹی نے کہا کہ میرے خاوند کا یہ حال ہے کہ جب کھانے بیٹھتا ہے تو سب سمیٹ جاتا ہے پینے پر آتا ہے تو سب پی جاتا ہے، لیٹتا ہے تو اپنا بدن لپیٹ کر مجھ سے علٰحدہ لیٹتا ہے (یعنے بجز کھانے پینے اور سو رہنے کے اُسے اور کچھ نہیں آتا) ساتویں عورت نے کہا کہ میرا خاوند نہایت شریر و احمق ہے۔ جہان بھر کے عیب اُس میں موجود ہیں ایسا ظالم ہے کہ کہتا ہے تیرا سر پھوڑ ڈالوں گا یا ہاتھ توڑ ڈالوں گا۔ آٹھویں نے کہا کہ میرا خاوند چھونے میں خرگوش کی طرح نرم ہے اور خوشبو میں زرنب (ایک خوشبودار گھاس) کی مثل ہے (یعنے اُس کا ظاہر و باطن خوب ہے) نویں نے کہا کہ میرا خاوند اونچے محل والا لمبے قد کا ہے اور اُس کا باورچی خانہ ہمیشہ گرم رکھتا ہے اور اُس کا گھر مجلس و مسافرخانہ سے قریب ہے (یعنی بڑا سخی و متواضع ہے) دسویں نے کہا کہ میرے شوہر کا نام مالک ہے اور وہ کیسا مالک ہے؟

وہ میری تعریف سے برتر و اعلٰے ہے اُس کے شتر خانے بہت ہیں اور چراگاہیں کم (یعنے اُس کے ہاں اونٹ بہت ذبح ہوتے ہیں اس لئے اکثر شتر خانوں میں رہتے ہیں اور چراگاہ میں بہت کم جاتے ہیں) گیارھویں بولی کہ میرے شوہر کا نام ابو ذرع ہے۔ اُس نے میرے دونوں کانوں کو زیوروں سے آراستہ کیا اور چربی سے میرے دونوں بازؤں کو بھر دیا (یعنے خوب تندرست رکھا) اُس نے مجھے بھیڑ بکری والوں میں پایا اور گھوڑے اونٹوں خرمن کا مالک

کر دیا (یعنی میں محتاج و ذلیل تھی لیکن اُس نے مجھے معزز و غنی کر دیا)
پھر جب اُس سے بات کرتی ہوں تو مجھے بُرا نہیں کہتا اور جب سوتی
ہوں تو صبح کر دیتی ہوں (یعنے مجھے کوئی کام نہیں کرنا پڑتا) جب
دودھ پیتی ہوں تو خوب سیر ہو کر پیتی ہوں۔ ابو ذرع کی ماں بھی خوب
ہے اُس کا گھر کشادہ صحن رکھتا ہے۔ ابو ذرع کا بیٹا بھی خوب
ہے اُس کی خواب گاہ ایسی ہے جیسے تلوار کا میان (یعنے بہت
نازنین ہے) اُسے آسودہ کر دیتا ہے حلوان کا صرف ایک ہاتھ
(یعنے بہت کم کھاتا ہے) ابو ذرع کی بیٹی اپنے ماں باپ کی تابعدار
اور جسیم ہے، ابو ذرع کی لونڈی بھی بہت اچھی ہے، ہماری بات
مشہور نہیں کرتی، ہمارا کھانا اُٹھا کر نہیں لیجاتی اور نہ ہمارا گھر
کوڑے سے بھرا رکھتی ہے۔ ابو ذرع ایک دن باہر نکلا اُس وقت
کہ گھی نکالنے کے واسطے دودھ متھا جا رہا تھا وہ ایک عورت سے
ملا جس کے ساتھ چیتے جیسے دو بچے تھے اور وہ اُس کی گود میں
دو اناروں سے کھیل رہے تھے، پھر ابو ذرع نے مجھے تو طلاق
دیدی اور اُس سے نکاح کر لیا۔ اس کے بعد میں نے ایک
سردار سے نکاح کیا جو عمدہ گھوڑے کا سوار اور نیزہ باز تھا اُس
نے مجھے چوپائے جانور بہت سے دیئے لیکن اگر دوسرے
خاوند کے عطایات کو جمع کروں تو ابو ذرع کے چھوٹے برتن کے
برابر بھی نہ پہنچے۔ حضرت عائشہ رضؓ نے جب ان گیارہ عورتوں کا
قصہ رسول اللہ صلعم کو سُنایا تو آپ مؐ نے فرمایا کہ " اے عائشہ رضؓ
میں بھی تیرے ساتھ وہی کروں گا جو ابو ذرع نے ام ذرع کے ساتھ